آخری کڑی

اشتیاق احمد

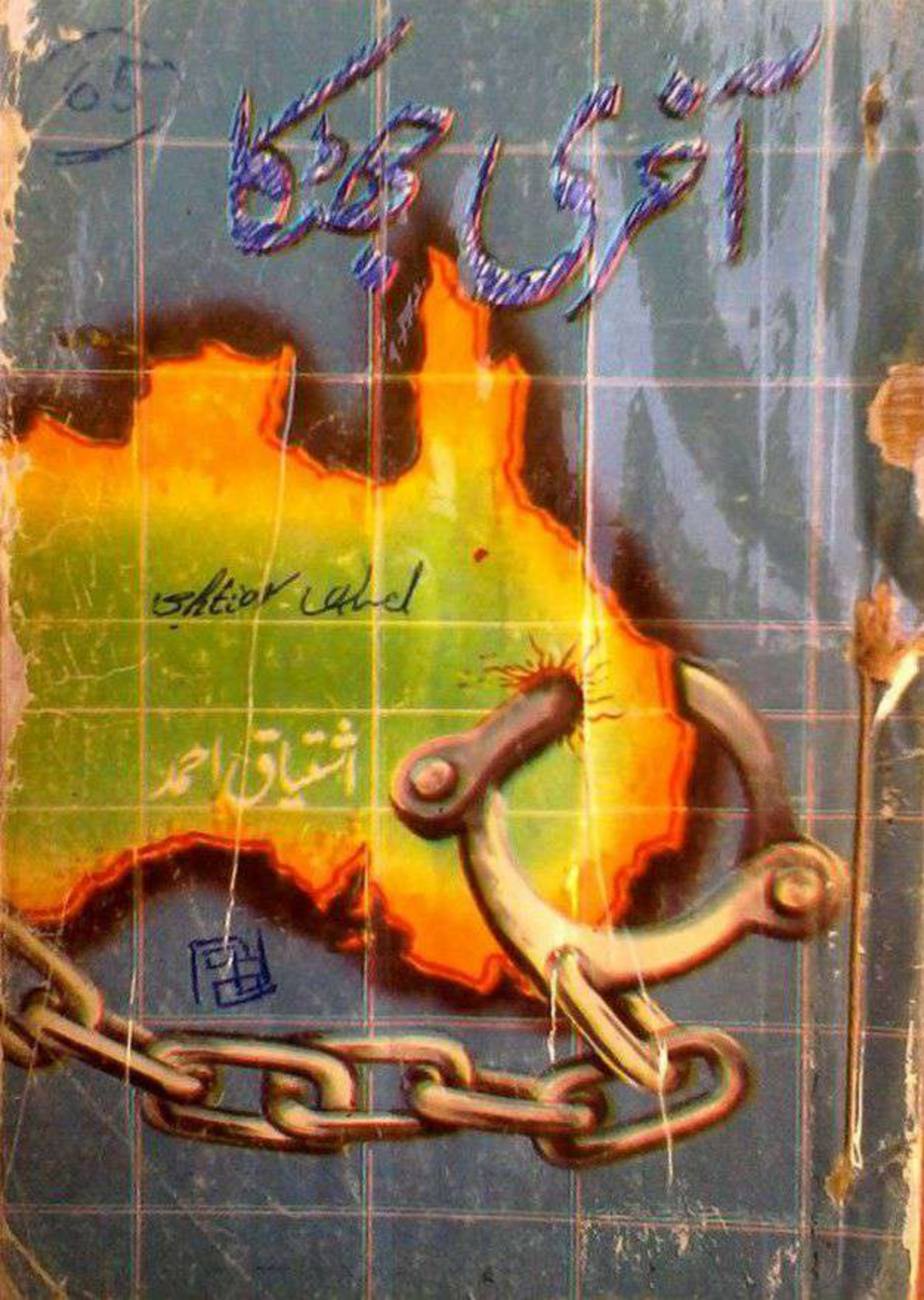

آخری چٹان

اشتیاق احمد

65

2147

Ishtiaq e Ahmad

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۸۴

آخری جھٹکا

اشتیاق احمد

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام ناول ——— آخری جھٹکا

طابع ——— میثاق احمد

بار اوّل ——— مئی ۱۹۸۸ء

قانونی مشیر ——— ملک محمد اکرم ایڈووکیٹ

کتابت ——— سعید نامدار، راولپنڈی

سرورق ——— محمد جاوید چغتائی، لاہور

مطبع ——— زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

طباعت سرورق ——— سپریم پرنٹرز، لاہور

قیمت ——— [illegible] روپے

سالانہ قیمت چار ناول ——— ۲۵۰/۰۰ روپے

سالانہ قیمت پانچ ناول ——— ۳۰۰/۰۰ روپے

اشتیاق پبلی کیشنز

۹/۱۲ نصیر آباد ——— مسلم پورہ ——— سانده کلاں ——— لاہور

فون نمبر: 321537

حدیث شریف

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں تمام رسولوں کا پیشوا ہوں اور کوئی فخر نہیں — اور میں خاتم النبیین ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ اور قیامت کے روز پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور میری شفاعت قبول ہوگی اور کوئی فخر نہیں —

— (دارمی، ابن عساکر) کذا فی المشکوٰۃ والکنز ص۱۰۹ ج۶ —

حدیث شریف

دو باتیں

السلام علیکم!

آپ کو ایک خبر سنانے لگا ہوں۔ آپ کے لیے ضرور خوشی کا باعث ہو گی، کچھ قارئین کے لیے تو زیادہ ہی خوشی کی خبر ثابت ہو گی۔ اور کچھ قارئین کو مدت کی آرزو پوری ہوتی نظر آئے گی۔ اب آپ بے چین ہو گئے ہوں گے۔ آپ نے اپنے ذہن کو جلدی جلدی گردش دے لی ہو گی۔ یہ جاننے کے لیے کہ آخر میں کیا خبر سنانا چاہتا ہوں۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ آپ خبر کے بارے میں کچھ بھی اندازہ نہیں لگا پائے ہوں گے۔ لگا بھی کیسے سکتے ہیں۔ آپ کوئی نجومی تو ہیں نہیں۔ لیجیے۔ پھر میں ہی بتائے دیتا ہوں۔ میری تو کچھ عادت سی ہو گئی ہے۔ ایک معمولی سی بات کو بھی سنسنی کے بارے میں لپیٹ کر رکھ دیتا ہوں۔ اب دیکھیے نا۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ لاہور کے دفتر میں ٹیلی فون لگ گیا ہے — اور فون نمبر 321537 ہے۔ اور بس — اب کہیں آپ منہ تو نہیں بنا رہے۔ ہیں جی!

اشتیاق احمد

Ishtiyaq Ahmad

اشتیاق احمد

Ishtiyaq Ahmad

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کے سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول اللہ کے لیے رکھ دیں۔ پہلے نماز کو وقت سے ادا کریں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

شکریہ

اشتیاق احمد

وہ کہاں گیا

اندر داخل ہونے والے شخص پر نظر پڑتے ہی فرزانہ پریشان ہو گئی:

"تم اس آدمی کو دیکھ رہے ہو۔"

"ہاں! کیوں نہیں۔ ویسے اس کے سر خاب کے پر نہیں نکل آئے۔ کوئی اور خاص بات ہو تو وہ تم بتا دو۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"تم کسی بات کو سنجیدہ انداز میں بھی سن لیا کرو۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں ہر اس بات کو سنجیدہ انداز میں سننے کے لیے تیار ہوں جس کے لیے تم کہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تم پہلے ہی بتا دیا کرو۔ کہ اب جو بات میں کہنے لگی ہوں۔ وہ سنجیدہ ہو کر سننے کے قابل ہے۔ پھر تم دیکھنا کہ میں کس قدر سنجیدہ ہوتا ہوں۔ کیا کبھی مجھ جتنا سنجیدہ ہوا ہو گا کوئی۔"

"فضول ہے فرزانہ۔ پتھر کے کبھی جونک نہیں لگا کرتی۔" محمود

نے مُنہ بنایا۔

"اس میں کوئی شک بھی نہیں۔ بلکہ مجھے تو پہلے سے یقین تھا اس پر۔" فاروق خوش ہو گیا۔

"لیکن کس بات پر؟" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"فضول ہے فرزانہ پر۔ میں نے کبھی بھی نہیں کہا کہ فرزانہ فضول نہیں ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"دیکھا۔ میری بات کو بھی یہ حضرت کس سمت میں لے گئے۔ حالاں کہ میرے فرشتے تک نے یہ بات نہیں سوچی تھی۔"

"ضروری نہیں کہ ہم بس وہی بات سوچیں۔ جس کو فرشتے بھی سوچیں۔ کچھ باتیں ہمیں اپنی مرضی اور سوجھ بوجھ کے مطابق بھی سوچنی چاہییں۔" فاروق بولا۔

"اب تم سے کون مغز مارے۔" فرزانہ بھنّا اٹھی۔

"تم دونوں ہی مارو گے، اور یہاں کون ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اسی مصیبت کے لیے میں اس دعوت میں شریک ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔" محمود نے جل کر کہا۔

"ہاں! تم نے کہا تھا۔ دعوت کا سارا مزا فاروق کرکرا کر کے رکھ دے گا۔"

"حالاں کہ یہ بات بالکل غلط ثابت ہو گئی۔" فاروق مسکرایا۔

"غلط کیوں۔ یہ بات تو سو فی صد درست ثابت ہو رہی ہے۔" فرزانہ تڑ سے بولی۔

"ہرگز نہیں۔ دعوت کا مزا کرکرا کرنے پر فرزانہ تلی ہوئی ہے۔ ذرا دیکھو۔ اب دیکھو نا۔ اس آدمی کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش یہ کر رہی ہے۔ آخر ہمیں کیا ضرورت ہے۔ کسی میں دل چسپی لینے کی۔ اسی طرح تو رنگ میں بھنگ پڑتی ہے۔"

"کوئی محاورہ رہ گیا ہو تو وہ بھی بول دو۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"کوئی کیا۔ ابھی تو پٹے پڑے ہیں میرے دماغ میں محاورے، بلکہ بھانت بھانت کی بولیاں سنا رہے ہیں اور زبان کے راستے نکل پڑنے پر خار کھائے بیٹھے ہیں۔"

"لو۔ اب محاورے بھی خار کھانے لگے۔" محمود نے فرزانہ سے کہا۔

"محاورے ہی نہیں۔ خار تو پتا نہیں کیا کیا چیزیں کھاتی ہیں۔ کیوں کہ آج کے دور میں ایک بس خار ہی تو کھانے کی چیز ہے۔"

"کون سی چیز کھانے کی ہے۔" انھوں نے پروفیسر داؤد کی آواز سنی۔

وہ یک دم مڑے اور اس کوشش میں پروفیسر داؤد سے ٹکرا

گئے، کیوں کہ وہ بھی اُن کے بالکل نزدیک آ چکے تھے:

"ارے ارے۔ یہ کیا بھئی۔ کہیں ناریل ٹکرانے کا پروگرام تو نہیں ہے؟"

"نن۔ نہیں انکل۔ اس دعوت میں یہ پروگرام ذرا مہنگا پڑے گا۔"

"ہم کون سے غریب ہیں۔ مہنگے سستے کی فکر نہ کرو۔ چیک بک میری جیب میں ہے۔ ویسے کیا خریدنے کا پروگرام ہے؟"

اب اُنھوں نے خان رحمان کی آواز سُنی۔

"ہائیں۔ انکل آپ بھی؟"

"اور میں کیوں نہیں۔ آخر اس گھر کا مالک میرا گہرا دوست ہے۔" خان رحمان بولے۔

"میرا بھی تو کم گہرا نہیں ہے۔" پروفیسر بولے۔

"اور ابا جان کے؟" فرزانہ بول اُٹھی۔

"ان کے بھی۔ لیکن۔ یہ حضرت نظر نہیں آ رہے۔" خان رحمان نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

"کون حضرت؟" پروفیسر چونکے۔

"جمشید۔ اور کون۔"

"ارے ہاں۔ جمشید کہاں ہے بھئی؟"

"وہ کچھ دیر سے آئیں گے شاید۔ کہیں جانا تھا بہت ضروری۔"

فرزانہ نے کہا۔

"اوہ اچھا۔ خیر۔ کوئی بات نہیں۔ آئیں گے تو سہی۔ ہاں تو۔ وہ تم کیا خریدنے کی بات کر رہی تھیں؟"

"ایک پروگرام کی بات تھی انکل۔" فرزانہ بولی۔

"ہائیں۔ پروگرام بھی کوئی خریدنے کی چیز ہے۔" وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

"اوہو۔ وہ۔ وہ کہاں گیا؟" فرزانہ زور سے چونکی۔

"کون کہاں گیا۔" پروفیسر نے حیران ہو کر کہا۔

"وہ۔ وہی۔" فرزانہ کے مُنہ سے نکلا۔

"اب ہمیں کیا معلوم۔ کون وہی؟" خان رحمان نے کندھے اُچکائے۔

محمود اور فاروق نے جلدی جلدی تمام مہمانوں پر نظر ڈالی۔ لیکن انھیں وہ شخص کہیں نظر نہیں آیا:

"واقعی۔ وہ تو کہیں بھی نظر نہیں آ رہا۔"

"حیرت ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"آؤ بھئی خان رحمان۔ ہم دوسری طرف چلیں۔ ان لوگوں کا ہمیں کچھ بتانے کا پروگرام نہیں ہے۔" پروفیسر جل کر بولے۔

"نہیں انکل۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل فاروق کی شروع ہو جانے والی بے تکی باتوں کی وجہ سے وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔"

"لیجیے۔ تان میری باتوں پر ٹوٹی۔" فاروق تلملا کر بولا۔

"جب تک تم ہمیں بات نہیں بتاؤ گے۔ اس وقت تک ہم خاک بھی نہیں سمجھ سکیں گے۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر سنیے۔ بات دراصل یہ ہے کہ۔"

فرزانہ کہتے کہتے رک گئی۔ اسے آفتاب کا خیال آگیا تھا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ۔ کے بعد رک کیوں گئیں؟" محمود نے اسے گھورا۔

"آفتاب کا خیال آگیا تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ کہ کرنے ہمیشہ رک جاتا ہے۔"

"بس ٹھیک ہے۔ اب تم بھی رک جایا کرو۔ دوستی کا حق اسی طرح ادا کیا جا سکتا ہے نا۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"بات دراصل یہ ہے انکل کہ میں نے ایک پُر اسرار آدمی کو اندر داخل ہوتے دیکھا تھا۔ میں نے ان دونوں کی توجہ اس طرف دلائی تو فاروق کی اوٹ پٹانگ باتیں شروع ہو گئیں۔ میں اور محمود بھی ان باتوں میں اُلجھ کر رہ گئے۔ آپ تو جانتے ہی ہیں۔ اس کی باتیں کس قدر لچھے دار ہوتی ہیں۔ اب جو میں نے اس کی تلاش میں نظریں گھمائیں۔ وہ نظر نہیں آرہا۔ ہے نا عجیب بات۔"

"کون سی بات عجیب ہے بھئی۔ اور آپ لوگ یہاں کیوں

رک گئے۔ مہمانوں میں چلیے نا۔ ارے۔ انسپکٹر جمشید نظر نہیں آ رہے۔" انھوں نے نواب صادق علی خان کی حیرت میں ڈوبی آواز سنی۔

"ابا جان کچھ دیر بعد آئیں گے انکل۔" محمود نے فوراً کہا۔

"ہاں تو کس عجیب بات کا ذکر ہو رہا تھا؟"

"ابھی ابھی ہم نے ایک پُر اسرار آدمی کو اندر داخل ہوتے دیکھا تھا، لیکن اب وہ نظر نہیں آ رہا۔"

"کیا مطلب؟" نواب صادق علی خان زور سے چونکے۔

"ہمیں آپ کے چونکنے پر بھی حیرت ہے نواب صاحب۔ کیوں کہ ہمارے خیال میں یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔" خان رحمان مسکرائے۔

"وہ کیسے؟" نواب صاحب نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ضروری نہیں کہ وہ پُر اسرار ہی ہو۔ یہ صرف فرزانہ کا خیال ہے۔ اور پھر مین گیٹ سے داخل ہو کر وہ پچھلے راستے سے نکل بھی سکتا ہے۔ اگر نظر نہیں آ رہا تو اس میں عجیب بات کیا ہے۔"

"تب یہ واقعی عجیب بات ہے۔" نواب صاحب نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"کک۔ کیا مطلب؟" اُن کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ فرزانہ

کی آواز بھی شامل تھی۔

"پچھلا دروازہ بند ہے۔ اگر کوئی مہمان واپس جانا چاہے تو آج کے دن صرف مین گیٹ کے ذریعے جا سکتا ہے۔ پچھلا دروازہ اور کھڑکیاں وغیرہ ضرورتاً بند کیے گئے ہیں۔"

"اوہ۔ یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" فرزانہ دھک سے رہ گئی۔

"لیکن میرے خیال میں اس میں اب بھی کوئی عجیب بات نہیں ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"وہ کیسے؟" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"ہو سکتا ہے۔ وہ مین گیٹ سے ہی واپس چلا گیا ہو۔ آپ لوگ باتوں میں لگ جانے کی وجہ سے اسے واپس جاتے دیکھ سکے ہوں۔"

"یہی تو مشکل ہے۔" فرزانہ نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"کیا مشکل ہے؟" وہ ایک ساتھ بولے۔ اب ان کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔

"اس دوران میری نظریں برابر مین گیٹ کی طرف رہی ہیں۔ اس طرف سے میں نے مہمانوں کو داخل تو ہوتے دیکھا ہے۔ کسی کو واپس جاتے نہیں دیکھا۔ اب آپ کیا کہتے ہیں۔ ویسے میری اس بات کی تصدیق دروازے پر موجود ملازم بھی کر

گے جو مہمانوں کا استقبال کر رہے ہیں۔"

"خیر۔ ہم یہ بات ان سے بھی پوچھ لیتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے۔ ہم بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ وہ بیچارہ لیٹرین میں ہوگا۔ یا کسی ضرورت سے اندرونی حصے میں چلا گیا ہوگا۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"اوہ ہاں۔ ضرور یہی بات ہے۔" خان رحمان بولے۔

"خیر۔ چیک کر لیتے ہیں۔ پہلے تو ہم مین گیٹ والے ملازمین سے پوچھ لیں۔" نواب صاحب نے کہا اور تیزی سے مین گیٹ کی طرف بڑھے۔

"کیوں بھئی۔ جب سے مہمانوں کی آمد شروع ہوئی ہے۔ کوئی اس طرف سے واپس تو نہیں گیا؟"

"نہیں جناب۔ دعوت سے پہلے کسی کے واپس جانے کا کیا کام۔" دو ملازمین نے ایک ساتھ کہا۔

"آؤ بھئی۔ اب اندر دیکھ لیں۔"

وہ کوٹھی کے اندرونی حصے میں آئے اور جلدی جلدی کمروں کا جائزہ لینے لگے۔ چند منٹ بعد سب برآمدے میں جمع ہوئے۔

"اندر کوئی نہیں ہے۔" محمود نے گویا اعلان کیا۔

"اب صرف لیٹرین اور باتھ روم رہ گئے۔ کیا خیال ہے۔ ان پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔" فرزانہ بولی۔

"اور ہمارا کام ہی کیا ہے۔ جب دیکھو۔ ایک نظر ڈال لیں۔"
فاروق نے منہ بنایا۔
"ایک بات کہوں فاروق۔" فرزانہ کو غصہ آ گیا۔
"میں منع کرنے والا یا کہنے والا کون ہوتا ہوں۔ جتنی جی چاہے، باتیں کرو۔"
"میں وہ بات صرف تم سے کروں گی۔"
"تب بھی کوئی حرج نہیں۔"
"تو پھر سنو۔ مقدر میں جو لکھا ہے، ہو کر رہے گا، اگر یہاں ہمارے پلّے ایک عدد کیس پڑنا ہے تو پڑ کر رہے گا۔"
"میں کیس صاحب کو روک کب رہا ہوں۔"
"تو پھر جھنجلا کیوں رہے ہو۔"
"اس لیے کہ تم کیس کو پلّے پڑنے سے پہلے ہی خود اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو۔" فاروق نے منہ بنایا۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ محمود اور فرزانہ بُرے بُرے منہ بناتے باتھ روم اور لیٹرین کی طرف بڑھ گئے واپس آئے تو ان کے منہ لٹکے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر فاروق مسکرا دیا:
"تو ادھر بھی کوئی نہیں ہے۔"
"ہاں! نہیں ہے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ

شخص جس کو ہم نے کوٹھی میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ اب مہمانوں میں نظر نہیں آ رہا۔" فرزانہ نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔
"اچھا بھئی۔ تم خود ہی نبٹو اس معاملے سے۔ مجھے تو مہمانوں کی طرف بھی دھیان دینا پڑے گا۔" نواب صادق نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔
"ضرور انکل۔ آپ تشریف لے جائیں۔ ہم تو اب مہمانوں میں شامل ہونے سے رہے۔" فاروق بولا۔
"نکلی جا رہی ہے جان بے چارے کی۔" فرزانہ مسکرائی۔
نواب صادق ہنستے ہوئے برآمدے سے باغ کی طرف چلے گئے۔
"گویا فرزانہ تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ ایک شخص۔ جو پُراسرار لگ رہا تھا۔ اندر داخل ہوا۔ لیکن اب وہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔" خان رحمان نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔
"ہاں! سو فی صد یہی بات ہے۔"
"اور ہم اسے اِدھر اُدھر ہر طرف دیکھ چکے ہیں۔ وہ کوٹھی میں کہیں بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔
"یہ بھی ٹھیک ہے۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔
"کوٹھی سے باہر نکلنے کے باقی تمام دروازے پہلے ہی بند

کر دیے گئے ہیں۔ گویا صدر دروازے کے سوا وہ کسی بھی طرف
سے باہر نہیں نکل سکتا تھا اور صدر دروازے سے بھی
وہ نہیں نکلا۔ اوّل تو صدر دروازے پر فرزانہ کی نظریں
بدستور رہی ہیں، دوسرے یہ کہ وہاں موجود ملازمین بھی اس
بات کی گواہی دیتے ہیں اور جب سے مہمانوں کی آمد شروع
ہوئی ہے۔ کوئی بھی شخص باہر نہیں گیا۔" پروفیسر داؤد جلدی
جلدی کہہ گئے۔

"جی ہاں انکل۔ اسی لیے تو میں پریشان ہوں۔ آخر وہ
شخص گیا تو کہاں۔ اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔"
فرزانہ نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

"اس سے بھی زیادہ ایک عجیب بات میرے ذہن میں آ
رہی ہے۔ اجازت ہو تو اس کا اظہار کر دوں۔" فاروق بول
پڑا۔

"ضرور کیوں نہیں۔" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہم فرض کر لیتے ہیں کہ وہ پُر اسرار شخص جس وقت اندر
داخل ہوا۔ یعنی جب فرزانہ نے اسے دیکھا، اس وقت وہ
میک اپ میں تھا، لیکن اندر داخل ہونے کے بعد اس نے
اپنا میک اپ ختم کر دیا۔"

"اوہ۔ اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"سوال یہ ہے کہ کیوں۔ اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت
تھی؟" محمود بولا۔

"اس پر ہم بعد میں بھی غور کر سکتے ہیں۔ پہلے تو
یہ دیکھ لیا جائے کہ آیا وہ ایسا کر سکتا ہے۔ یا نہیں۔"
فاروق نے کہا۔

"اس کا جواب ہاں میں ہے۔ وہ ایسا آسانی سے کر
سکتا تھا۔ وہ سیدھا باغ کی طرف گیا۔ پھر غسل خانوں کی
طرف چلا گیا۔ اور کسی غسل خانے میں داخل ہو کر اپنا میک
اپ تبدیل کیا اور باہر نکل آیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ فرزانہ کو پھر
نظر نہیں آیا۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"ہاں! یہی بات میرے ذہن میں کلبلا رہی تھی۔" فاروق
نے کہا۔

"اگر بات یہی ہے۔ تو پھر یہ حد درجے عجیب ترین بات
ہے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ کوٹھی میں
آج کے دن داخلہ صرف دعوتی کارڈ کے ذریعے ہو رہا
ہے۔ صرف وہی آدمی اندر داخل ہو سکتا ہے۔ جس کے
پاس کارڈ ہے۔ اگر داخل ہونے والے ایک سے زائد ہیں۔
تو ان کے نام ضرور کارڈ پر موجود ہیں۔ اس کا مطلب ہے،
وہ پُر اسرار آدمی بھی کارڈ دکھا کر اندر داخل ہوا۔ اور ہمارے

حساب کے مطابق وہ میک اپ میں تھا۔ پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کو میک اپ میں آنے کی کیا ضرورت تھی، جب کہ اس وقت وہ اس میک اپ کے بغیر اندر موجود ہے، اور کسی کو کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ داخل بھی بغیر میک اپ کے ہو سکتا تھا — لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"ذہن الجھتے جا رہے ہیں۔ کوئی بات سمجھائی نہیں دیتی، م۔ مگر۔ نہیں۔ ایک بات ابھی ابھی میری سمجھ میں آئی ہے، اور میرا خیال ہے۔ اس بات کو ہر ایک کا ذہن تسلیم کرے گا۔" محمود چونک کر بولا۔

"فیصلہ کرنے میں اتنی جلدی نہ کرو۔ پہلے بات بتاؤ۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"جب وہ کوٹھی میں داخل ہوا۔ اس وقت وہ میک اپ میں نہیں تھا — لیکن بعد میں اسے اچانک ضرورت محسوس ہوئی اور اس نے اپنے چہرے پر میک اپ کر لیا۔ سب لوگ اس وقت سفید لباس میں ہیں — ہر ایک نے شلوار قمیض پہن رکھی ہے۔ لہٰذا لباس کے تبدیل کرنے کی اسے قطعاً ضرورت نہیں تھی۔ صرف چہرے کا میک اپ کرنے کی ضرورت تھی۔"

"اور یہ ضرورت اسے کیوں محسوس ہوئی؟" فاروق نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"اس نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔" محمود پُریقین انداز میں بولا۔

"کیا!!!"

اُن کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

لرزہ خیز چیخ

چند لمحوں کے لیے برامدے میں خاموشی چھا گئی۔ آخر فرزاد نے پُر جوش انداز میں کہا:

"اس طرح تو ساری اُلجھن یک لخت دُور ہو گئی۔ جب وُہ اندر داخل ہوا، اسے وقت اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہاں ہم بھی موجود ہیں۔ لہٰذا وُہ اپنی اصلی شکل صورت میں چلا آیا۔ لیکن جب اس نے ہمیں دیکھا تو فوراً اپنے چہرے پر میک اپ کرنے کی ٹھان لی۔ تاکہ ہماری نظروں سے بچ سکے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وُہ کوئی جرائم پیشہ ہے۔ اور اس نے ہمیں دیکھ کر یہ خوف محسوس کیا کہ کہیں ہم اخبارات میں شائع ہونے والی اس کی تصاویر کو ذہنوں میں محفوظ نہ رکھے ہوئے ہوں۔ اور کچھ دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد یہ یاد نہ کر لیں کہ وُہ کون ہے۔"

"ہُوں۔ بات دل کو لگتی ہے۔ اور اس سارے معمّے کا اس

کے علاوہ کوئی حل ہو بھی نہیں سکتا۔" خان رحمان بولے۔

"تب پھر ہمارا کام دعوت کے دوران یہ ہو گا کہ اس کی تلاش جاری رکھیں۔ ہو سکتا ہے۔ وُہ یہاں بھی کسی خطرناک ارادے سے آیا ہو۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"ایک سوال یہاں اور پیدا ہو گیا۔" فاروق مُسکرایا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ تم بھی سوال کرنے کے قابل ہوئے۔" فرزاد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کر لو طنز۔ میں بُرا نہیں مانوں گا۔ سوال یہ ہے کہ کسی خطرناک شخص کو انکل نواب نے کارڈ کس طرح بھیج دیا؟"

"اس کا جواب ہم نواب صاحب سے لے لیتے ہیں۔ آؤ چلیں۔"

"ہاں۔ ویسے بھی اس برامدے کا اور ہمارا کوئی چولی دامن کا ساتھ تو ہے نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

وُہ مُسکراتے ہوئے باغ کی طرف چل پڑے۔ نواب صادق نے انہیں دُور سے ہی دیکھ لیا۔ اُنھوں نے تیز تیز قدم اُٹھائے اور ان کے قریب آ گئے:

"کیوں۔ کچھ پتا چلا؟"

"جی ہاں۔ پچاس فی صد۔" فاروق بولا۔

"پچاس فی صد۔ کیا مطلب؟"

"بقیہ پچاس فی صد بھی معلوم کر ہی لیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"لیکن جو پچاس فی صد معلوم ہوا ہے۔ وہ کیا ہے؟" نواب صادق نے حیران ہو کر کہا۔

خان رحمان نے انھیں بتا دیا کہ انھوں نے کیا رائے قائم کی ہے۔

"یہ۔ یہ تو اور بھی عجیب بات ہو گئی۔"

"تو انکل۔ ہم نے کب کہا ہے کہ۔ اس میں سرے سے کوئی عجیب بات نہیں ہے۔" فاروق نے بُرا مان کر کہا۔

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے کسی خطرناک آدمی کو دعوت کس طرح دے دی؟"

"جہاں تک میں جانتا ہوں۔ میں نے کسی خطرناک آدمی کو دعوت نہیں دی۔" وہ بولے۔

"آپ نے اس دعوت میں کسی اجنبی آدمی کو تو نہیں بلایا؟"

"ایک آدمی ایسا بھی ہے۔" وہ بولے۔

"بہت خوب۔ اور وہ کون ہے؟"

"کل میں ہوٹل گلنار میں چائے پینے چلا گیا تھا۔ دراصل وہاں کچھ پرانے دوست آ کر بیٹھتے ہیں۔ ان سے پرانے زمانے کی باتیں کر کے عجیب سا سکون ملتا ہے۔ لیکن اتفاق کی

بات کہ کل کوئی بھی نہیں آیا۔ بس وہیں اُس سے ملاقات ہوئی۔ باتوں باتوں میں پتا چلا کہ وہ ہیروں کا بہت بڑا بیوپاری ہے اور اس سلسلے میں تمام دُنیا میں مشہور ہے۔ چوں کہ مجھے بھی ہیروں میں بہت دل چسپی ہے۔ لہٰذا میں نے ہیرے دیکھنے کی خواہش کی۔ اس وقت اس کے پاس کوئی ہیرا موجود نہ تھا۔ طے یہ پایا کہ وہ آج دعوت کے بعد مجھے اپنے کچھ نادر ہیرے دکھائے گا۔"

میں نے ایک کارڈ پر اس کا نام لکھا اور اسے دے دیا۔ وہ چائے پی کر اُٹھ گیا۔ بس اس کے علاوہ میں نے کسی اجنبی کو کارڈ نہیں دیا۔" یہاں تک کہہ کر نواب صاحب خاموش ہو گئے۔

"اور اس نے اپنا نام کیا بتایا تھا؟"

"عزیز بھائی ہیرا۔" انھوں نے کہا۔

"مہربانی فرما کر اس کا حلیہ بتا دیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"لمبوترے چہرے والا آدمی تھا، گال پچکے ہوئے۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں، لیکن ان میں تیز چمک تھی۔ قد درمیانے درجے کا، سر کے بال سیاہ اور گھنے۔ کانوں کی لوؤں سے نیچے تک لٹکے ہوئے تھے۔ ناک ستواں تھی۔" نواب صاحب نے جلدی جلدی کہا۔

"بالکل یہی حلیہ تھا اس کا۔" فرزانہ بول اُٹھی۔

"تب تو اچھا ہی ہوا کہ اس نے ہمیں دیکھ کر اپنا حلیہ بدل لیا۔ وہ ضرور آپ کو لوٹنے کے چکر میں تھا۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں! اب تو میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"خیر۔ اب اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں رہا۔ مہمانوں کے ساتھ وہ بھی رخصت ہو جائے گا۔ پھر کبھی وہ آپ سے ملے تو ہمیں اطلاع ضرور دیجیے گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

"اور اب چوں کہ معاملہ ذہنوں میں صاف ہو گیا۔ لہٰذا اب ہم دعوت کی طرف پوری طرح توجہ دے سکتے ہیں۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"اللہ کا شکر ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

اس قسم کی دعوتیں سال میں دو چار مرتبہ نواب صادق دیا ہی کرتے تھے۔ مطلب ہوتا تھا۔ سب دوست مل بیٹھیں گے اور بس۔ آخر دعوت شروع ہوئی۔ سب لوگ کھانے پینے میں مصروف ہو گئے۔ دعوت کے بعد نواب صاحب اپنے مہمانوں کو اپنی آرٹ گیلری دکھایا کرتے تھے۔ اس گیلری میں انھوں نے نہ صرف آرٹ کے نمونے جمع کر رکھے تھے۔ بلکہ ہیرے، جواہرات اور قیمتی پتھر، موتی وغیرہ بھی شوکیسوں میں رکھے ہوئے تھے۔ ان

چیزوں میں تمام مہمان خاص دل چسپی لیتے تھے اور بہت دیر تک یہ نمائش جاری رہتی تھی۔ معمول کے مطابق یہ نمائش جاری تھی کہ اچانک لرزہ خیز چیخ گونجی۔

★

سب نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ چہروں پر حیرت کے ساتھ خوف بھی تھا:

"یہ۔ یہ چیخ کس کی تھی؟"

"جہاں تک میرا خیال ہے۔ گیلری میں کوئی نہیں چیخا تھا۔ آواز ضرور کسی کمرے سے آئی ہے۔ اور غالباً کوٹھی کے پچھلے حصے سے۔" نواب صادق نے تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔

"تو پھر آئیے۔ دیکھیں۔" خان رحمان بولے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ پہلے ہی یہ اندازہ لگا چکے تھے، لہٰذا اس سمت میں بڑھ چکے تھے۔ انھیں ایک کمرے کا دروازہ کھلا نظر آیا۔ کمرے کے اندر نظر ڈالی تو جسموں میں سنسنی کی لہریں دوڑ گئیں۔ سامنے والی دیوار میں ایک کھڑکی تھی۔ اس کھڑکی کے نیچے ایک انسان کی لاش پڑی تھی۔ خنجر اس کی کمر میں دستے تک پیوست تھا۔ اور اس کا خون بہ کر فرش پر

دُور تک پھیل گیا تھا۔

"اُف مالک۔ آخر واردات ہو ہی گئی۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"کیا ہے۔ کیا یہاں کچھ ہے۔" بہت سی آوازوں نے انہیں مجبور کر دیا۔ سب لوگ وہاں پہنچ چکے تھے کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ سب لوگ وہاں پہنچ چکے تھے اور پھر جوں ہی انھوں نے لاش دیکھی۔ کئی ایک کی چیخیں نکل گئیں۔ نواب صادق نے جلدی سے کمرے میں داخل ہونا چاہا، لیکن محمود نے دونوں ہاتھ تان دیے:

"گگ۔ کیا مطلب۔ تت۔ تم میرا راستا کیوں روک رہے ہو؟" نواب صاحب نے بھنّا کر کہا۔

"اس لیے کہ اندر جانا منع ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"میرے گھر میں۔ اور میرا اندر جانا منع ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"یہاں ایک عدد قتل کی واردات ہو چکی ہے۔ پہلے پولیس کو فون کیا جائے گا۔ پولیس آکر جائے واردات کا معائنہ کرے گی۔ لاش کی تصاویر وغیرہ لی جائیں گی۔ انگلیوں کے نشانات اٹھائے جائیں گے۔ اس کے بعد کہیں آپ لوگوں کو کمرے میں قدم رکھنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔"

"اوہ۔ یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" کسی مہمان نے کہا۔

"ٹھیک نہ کہیں گے تو اور کیا کریں گے۔ دن رات کا کام

جو یہی ہوا۔" فاروق نے جل کر کہا۔

محمود کچھ کہے بغیر برامدے میں رکھے فون کی طرف جھک گیا۔

"سوال یہ ہے کہ مقتول کون ہے؟" نواب صاحب بولے، کیوں کہ لاش کا چہرہ باہر سے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"جو کوئی بھی ہے۔ بے چارہ اندر ہی رہے گا۔ لہٰذا بعد میں دیکھ لیں گے کہ کون ہے۔" فاروق نے کہا۔

نواب صاحب نے اسے گھورا۔ اور پھر منہ دوسری طرف کر لیا۔

"ارے۔ کگ۔ کہیں۔ یہ۔ وہی تو نہیں ہے۔" ایسے میں فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"کون وہی۔ ہم تو کسی وہی کو نہیں جانتے۔" فاروق نے احمقوں کے انداز میں کہا۔

"تم چپ رہو۔" فرزانہ بھنّا اٹھی۔

"بہت بہتر۔ اب نہیں بولوں گا۔ میرا کیا جاتا ہے۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

اسی وقت محمود فون کر کے لوٹ آیا۔

"محمود۔ فرزانہ نے خیال ظاہر کیا ہے۔ کہ کہیں یہ وہی تو نہیں ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمیں اس سے کیا۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ اس بے چارے کو قتل کیا گیا ہے اور قاتل ابھی تک

کوٹھی میں موجود ہے، کیوں کہ وہ فرار ہو ہی نہیں سکتا تھا۔" محمود
نے پُریقین لہجے میں کہا۔

"کک۔ کیوں۔ یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو محمود۔" پروفیسر داؤد
ہکلائے۔

"اس لیے کہ یہاں تمام مہمان گنے چنے ہیں۔ ان سب کے
بارے میں نواب صاحب کو معلوم ہے۔ اور ان کی فہرست بھی
ان کے پاس موجود ہو گی۔ لہٰذا ان حالات میں کسی کا فرار خود
اس کے لیے خطرناک ہو گا۔"

"اوہ ہاں۔ واقعی۔ یہ بات تو ہے۔" خان رحمان نے فوراً
کہا۔

"تو پھر ثابت ہوا۔ قاتل ہم میں ہی موجود ہے۔" فاروق
مسکرا دیا۔

"ارے باپ رے۔" کئی مہمان بُری طرح گھبرا گئے۔

"آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ وہ ہم میں سے کسی کو کچھ نہیں
کہے گا۔" محمود نے اعلان کیا۔

"لیکن اس نے اس غریب کو کیوں قتل کیا؟" ایک مہمان
چیخ کر کہا۔

"یہ ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو قاتل ہی بتا سکتا ہے۔" نواب
صاحب بولے۔

"آخر آپ نے ایک قاتل کو دعوت ہی کیوں دی؟" ایک اور
صاحب بولے۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ ارے صاحب۔ قاتل تو وہ اب
بنا ہے۔ دعوت نامہ دینے سے پہلے آپ مجھے بتا دیتے کہ فلاں
آدمی کو کارڈ نہ دینا۔ وہ قاتل بننے والا ہے۔" نواب صاحب نے جل
کر کہا اور ان حالات میں بھی کچھ چہروں پر مسکراہٹیں رینگ
گئیں۔

آخر پولیس وہاں پہنچ گئی۔ پولیس انسپکٹر نے بلند آواز میں کہا:
"السلام علیکم حاضرین۔"

"وعلیکم السلام" سب نے ایک ساتھ کہا۔

"مجھے فون پر بتایا گیا ہے کہ یہاں قتل کی ایک حدود واردات
ہو گئی ہے۔" انسپکٹر بولا۔

"ہاں انسپکٹر صاحب۔ وہ رہی لاش۔"

"اور قتل کس نے کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"یہ آپ کو معلوم کرنا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"مم۔ مجھے۔ ہاں ٹھیک تو ہے۔ مجھے ہی تو معلوم کرنا پڑے
گا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ کر لیں گے معلوم۔ پہلے تو ذرا لاش
کا معائنہ ہو جائے۔ مم۔ مگر نہیں۔ پہلے یہ بتائیے۔ آپ
میں سے کوئی کمرۂ واردات میں داخل تو نہیں ہوا؟"

ہونے لگے تھے۔ لیکن ان حضرات نے روک دیا۔" خان رحمان نے مسکراتے ہوئے محمود وغیرہ کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ۔ تب تو انھوں نے بہت عقل مندی کا مظاہرہ کیا۔" انسپکٹر نے خوش ہو کر کہا۔

"جی بس۔ کیا بتائیں۔ ہم جب بھی اس قصبے میں آتے ہیں۔ ذرا عقل مند سے ہو جاتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"کیا مطلب۔ کیا آپ قصبہ بھول شاہ کے رہنے والے نہیں ہیں؟"

"جی نہیں۔ نواب صاحب جو ہیں یہاں کے رہنے والے۔ ہم ویسے دارالحکومت سے آئے ہیں اور ہم ہی کیا۔ اس دعوت کے زیادہ تر مہمان دارالحکومت سے آئے ہوئے ہیں۔ دارالحکومت دور ہی کتنا ہے۔"

"میرا خیال ہے، آپ کو بولنے کی کچھ زیادہ عادت ہے۔" انسپکٹر نے بُرا سا منہ بنایا۔

"یہ بالکل درست اندازہ لگایا آپ نے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"شکریہ جناب۔" اس نے کہا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے ایک حوالدار بھی اندر داخل ہوا۔ کانسٹیبل باہر کھڑے رہ گئے۔

"اجازت ہو تو ہم بھی آپ کے ساتھ کمرے کا معائنہ کر لیں۔" محمود نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ اس طرح تو سارا کیس خراب ہو جائے گا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"اچھا خیر۔ پہلے آپ اپنا کام کر لیں۔ ہم بعد میں معائنہ کر لیں گے۔"

"آپ اور کمرۂ واردات کا معائنہ کریں گے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جی ہاں! ہم بھی دراصل اس قسم کے کام کرتے رہتے ہیں۔"

"دیکھیے جناب۔ مہربانی فرما کر مجھے اپنا کام کرنے دیں۔"

انھوں نے چپ سادھ لی۔ ان دونوں نے پہلے تو کمرے کو اور لاش کو دیکھا بھالا۔ پھر فوٹو گرافروں کو اشارہ کیا۔ انھوں نے جلدی جلدی لاش کی تصاویر لیں۔ خنجر کے دستے پر بھی پاؤڈر چھڑک کر انگلیوں کے نشانات لینے کی کوشش کی گئی۔ آخر کام مکمل کر کے انسپکٹر باہر نکل آیا:

"مرنے والا کون تھا؟"

"ابھی تک ہم نے اس کا چہرہ ہی کب دیکھا ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"تو پھر اب آپ کو اجازت ہے۔ اندر جا کر دیکھ لیں۔"

"معاف کیجیے گا انسپکٹر صاحب۔ کچھ میں بھی عرض کر سکتا ہوں۔" محمود نے کہا۔

"معاف کیا۔ ضرور عرض کریں۔" وہ بولا۔

"مقتول کھڑکی کے نیچے گرا پڑا ملا ہے، لیکن آپ نے اس کھڑکی کے ہینڈل وغیرہ سے انگلیوں کے نشانات اٹھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔"

"اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کھڑکی تو بند ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"ہو سکتا ہے۔ یہ اس کھڑکی سے نکل بھاگنے کی کوشش میں ہو اور قاتل نے پیچھے سے آ کر وار کر دیا ہو۔"

"تو پھر۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے، اگر اس کی انگلیوں کے نشانات کھڑکی پر مل بھی گئے تو ہمیں اس سے کیا فائدہ ہو گا، ہمیں تو قاتل کی انگلیوں کے نشانات کی ضرورت ہے۔"

"اور کیا خبر۔ کھڑکی پر قاتل کی انگلیوں کے نشانات مل جائیں۔" فاروق بولا۔

"خنجر کمر میں لگا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ قاتل پیچھے تھا، نہ کہ مقتول کے آگے۔"

"آپ ہمارا مطلب اب بھی نہیں سمجھے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تو پھر سمجھا دیں نا۔"

"سنیے۔ مقتول قاتل سے خوف زدہ ہو کر اس طرف سے فرار ہونا چاہتا تھا۔ وہ کھڑکی تک دوڑ کر آ گیا اور اس کی چٹخنی گرا دی۔" فرزانہ نے پرسکون آواز میں کہا۔

"کیا کہا۔ چٹخنی گرا دی۔ لیکن چٹخنی تو لگی ہوئی ہے۔"

"آپ سن تو لیں۔ اس نے چٹخنی گرا دی۔ اسی وقت قاتل نے خنجر اس کی کمر میں گھونپ دیا اور پھر کھڑکی بند کر دی۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ۔ اوہ۔" انسپکٹر حیران رہ گیا۔ اس کی نظریں ان تینوں پر باری باری پڑنے لگیں۔

"آپ۔ آپ لوگ کون ہیں؟" وہ ہکلایا۔

"ہم۔ محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔ کیوں، یہ کیوں پوچھا آپ نے۔"

"مجھے انسپکٹر تیموری کہتے ہیں۔"

"تت۔ تو کیا آپ تیموری خاندان سے ہیں؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ تو مجھے پتا نہیں۔ یہ میرا نام ضرور ہے۔ تو آپ انسپکٹر جمشید کے صاحب زادے ہیں۔" اس نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! مہربانی فرما کر آپ کھڑکی پر سے نشانات اٹھوا لیں۔"

"ج۔ جی بہتر۔" اس نے ہکلا کر کہا اور فوٹو گرافرز کو اشارہ

کیا۔

کھڑکی پر سے نشانات لینے اور مختصر طور پر چند لوگوں کے بیانات لینے کے بعد انسپکٹر کمرے سے نکل آیا۔ اس کے بعد وہ کمرے میں داخل ہوئے اور محمود نے کہا:

"اب ہمارا کام شروع ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" کئی آوازیں اُبھریں۔

"سوال یہ ہے کہ قاتل کون ہے۔ آخر اس غریب کو کیوں قتل کیا گیا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"پہلے تو یہ دیکھیں کہ یہ ہے کون۔" نواب صاحب نے منہ بنا کر کہا۔

"اوہ ہاں۔ یہ بات تو ہم بھول ہی گئے۔"

اب وہ تینوں اندر داخل ہوئے۔ انھوں نے لاش کو سیدھا کیا، لیکن چہرہ جانا پہچانا نظر نہ آیا:

"یہ بات تو نواب صاحب آپ ہی بتائیں گے کہ یہ کون ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور پھر ان کے منہ سے نکلا:

"ارے۔ یہ کیا۔"

"چلیے شکر ہے۔ آپ نے انھیں پہچان تو لیا۔" محمود نے فوراً کہا۔

"آپ کا خیال غلط ہے۔ میں نے اسے ہرگز نہیں پہچانا۔" نواب صاحب بولے۔

"تو پھر آپ چونکے کیوں؟" فرزانہ نے انھیں حیرت زدہ انداز میں دیکھا۔

"اسی لیے تو چونکا ہوں۔ کہ میں نے اسے کیوں نہیں پہچانا۔ میں نے جتنے لوگوں کو بھی دعوت دی ہے۔ سب کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ پھر یہ کون ہے اور اندر کس طرح داخل ہو گیا۔" انھوں نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہ آپ نے ایک اور عجیب بات سُنا دی۔ خیر ہم دیکھتے ہیں۔" اب انھوں نے لاش کا بغور معائنہ شروع کیا۔ اچانک فرزانہ کے منہ سے نکلا:

"اوہو۔ یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔"

"ایک عدد لاش۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"نہیں۔ جو میں دیکھ رہی ہوں۔ وہ تم نہیں دیکھ سکتے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"گویا تم لاش نہیں دیکھ رہی ہو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"لاش بھی دیکھ رہی ہوں اور ایک اور چیز بھی۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔ تم اصل چیز کے ساتھ کچھ اور بھی دیکھنے لگ جاتی ہو۔ خیر آئندہ ایسا نہ کرنا۔" فاروق نے جلدی جلدی

کہا۔

"کیا کر رہے ہو۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔ سنو۔ میں نے جس پُر اسرار آدمی کو کوٹھی میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ اس میں اور اس لاش کے چہرے میں بس اتنا ہی فرق ہے کہ" فرزانہ کہتے کہتے رُک گئی۔

"کوئی فرق نہیں ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"نہیں۔ فرق ہے۔ ہاں! میں کہہ رہی تھی، اتنا فرق ہے کہ اس کے گال پچکے ہوئے تھے اور اس کے گال پھولے ہوئے ہیں۔"

"مرنے کے بعد پھول گئے ہوں گے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ادھر اُدھر کی نہ ہانکو۔ ویسے یہ بالکل وہی لگتا ہے۔ اگر گال کسی طرح پچک جائیں۔"

"تو پچکا لو گال۔ تمہیں کون روک رہا ہے۔" محمود بولا۔

"ہاں! یہی کرنا ہوگا۔"

"کیا کرنا ہوگا۔ تم دونوں آخر کیا کر رہے ہو۔ ہمارے سامنے ایک عدد انسانی لاش پڑی ہے۔ یہ کوئی کھلونا نہیں ہے۔"

"ہم بھی اسے انسانی لاش ہی سمجھ رہے ہیں۔ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اوہو۔ یہ۔ یہ اس طرف کیا پڑا ہے؟" ایسے میں خان رحمان

کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

"ہائیں انکل۔ آپ بھی ہیں کمرے میں۔" محمود چونکا۔

"میں نے تمہیں لاش میں گم دیکھا تو اندر چلا آیا۔ یہ سوچ کر کہ کہیں تم دور نہ نکل جاؤ۔" وہ مسکرائے۔

"شکریہ انکل۔ لیکن آپ کو کیا چیز دکھائی دی ہے؟"

"افسوس! میں نہیں جانتا۔" وہ بولے۔

"جی۔ کیا فرمایا۔ آپ نہیں جانتے۔" محمود بولا۔

"ہاں! میں نہیں جانتا۔ وہ کیا چیز ہے۔ لیکن کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔"

اب انھوں نے ان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ کھڑکی سے قدرے ہٹ کر۔ مسہری کے نیچے اس کے پائے کی اوٹ میں ایک سفید رنگ کی موٹی پنسل نما کوئی چیز پڑی تھی لیکن وہ پنسل ہرگز نہیں تھی۔ خان رحمان نے جھک کر اسے اٹھانے کی کوشش کی ہی تھی کہ محمود بول اٹھا:

"ایک منٹ انکل۔ ہو سکتا ہے۔ اس چیز پر اُنگلیوں کے نشانات موجود ہوں۔"

"اوہ اچھا۔" خان رحمان رک گئے۔ محمود نے انسپکٹر تیموری کی طرف دیکھا:

"مہربانی فرما کر اس چیز پر سے اُنگلیوں کے نشانات اٹھا

لیں۔"

"اچھا۔" اس نے کہا اور فوٹوگراف کو اشارہ کیا۔ اس نے تصویر
لیں اور پیچھے ہٹ گیا۔

اب محمود نے آگے بڑھ کر پنسل نما چیز کو اٹھا لیا:

"خبردار۔ کہیں یہ پنسل بم نہ ہو۔" فرزانہ چلائی۔

"ارے نہیں۔ یہاں بم کا کیا کام۔" محمود ہنسا۔

"کمال کرتے ہو۔ ملک میں ہر طرف تخریب کار دھماکے کر
رہے ہیں۔"

"خیر۔ میں اسے کھڑکی کھول کر باہر پھینک کر دیکھ لیتا
ہوں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" فرزانہ نے کہا۔

محمود نے کھڑکی کھولی اور پنسل کو پھینک مارا، لیکن کوئی
دھماکا نہ ہوا:

"تمہارا خیال غلط نکلا۔"

"تو کیا ہوا۔ ہم اسے اٹھا لیتے ہیں جا کر۔" فرزانہ مسکرائی۔

"جاؤ فاروق۔ پنسل اٹھا لاؤ۔" محمود نے اس کی طرف
کر کہا۔

"وہ پنسل نہیں ہے۔" فاروق بھنا کر بولا۔

"خیر۔ جو کچھ بھی ہے۔ اٹھا لاؤ۔"

"اچھا۔ تم یہاں آرام سے کھڑے رہو۔" فاروق نے جل کر
کہا اور پاؤں پٹختا چلا گیا۔

نعمان رحمان اور پروفیسر داؤد مسکرا دیے۔

"ہاں تو میں اس لاش کے چہرے کی بات کر رہی تھی۔
میں نے جس پُراسرار آدمی کو اندر آتے دیکھا، اس کا چہرہ
لمبوترا تھا، گال پچکے ہوئے، آنکھیں چھوٹی، ناک ستواں، قد درمیانہ
اور بال گھنے سیاہ تھے۔ آپ دیکھ رہے ہیں۔ باقی تمام حلیہ اس پر
بالکل فٹ آتا ہے۔ بس گال پھولے ہوئے ہیں اور اسی ایک
فرق نے اس کے چہرے کو کیا سے کیا بنا دیا ہے۔ کوئی غور سے
دیکھنے پر ہی یہ بات جان سکتا ہے کہ یہ وہی ہے، لیکن سرسری
نظروں سے دیکھنے پر یہ محسوس نہیں کیا جا سکتا۔"

"ہوں۔ تم ٹھیک کہتی ہو فرزانہ۔ لیکن۔ سوال یہ ہے کہ
اگر یہ وہی شخص ہے۔ یعنی عزیز بھائی بیزار تو پھر اس کے گال
کیوں کر پھول گئے؟"

"ہم۔ میں ابھی دیکھتی ہوں۔" یہ کہہ کر فرزانہ اکڑوں بیٹھ گئی۔
اس کے ہاتھ لاش کے گال کی طرف بڑھے ہی تھے کہ فاروق
اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر بلا کی حیرت تھی۔ فرزانہ
بھی چونکے بغیر نہ رہ سکی:

"تمہیں کیا ہو گیا؟"

"پنسل کھڑکی کے نیچے نہیں ہے۔"

"کچھ فاصلے پر گر گئی ہو گی۔ تم صرف کھڑکی کے نیچے دیکھ کر آ گئے۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

"اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم جا کر دیکھ آؤ۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں! ضرور۔ کیوں نہیں۔" اس نے جل بھن کر کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے نکل گیا۔

فرزانہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ بھی لاش کے گالوں کو بھول گئی تھی۔ اب وہ بھی محمود کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ آخر وہ واپس آتا نظر آیا۔ لیکن۔ وہ پنسل نما چیز اس کے ہاتھ میں بھی نہیں تھی:

"کیوں۔ کیا رہا؟"

"پنسل واقعی نہیں ہے۔"

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"پتا نہیں۔ کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن ہے یہی بات۔" محمود نے کندھے اچکائے۔

"تب ہم سب مل کر اسے ڈھونڈ لیتے ہیں۔ یہیں کہیں ہو گی یا کہاں سکتی ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

وہ سب باہر نکل کر اس کھڑکی تک پہنچے۔ انھوں نے آس

پاس کا ہی نہیں کافی دور تک کی جگہ کا جائزہ لے ڈالا۔ چپہ چپہ دیکھ ڈالا۔ لیکن۔ موٹی پنسل نما اس چیز کا کہیں نشان تک نظر نہ آ سکا۔

اب تو ان کی حیرت اور بڑھ گئی۔ ایسے میں محمود نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا:

"اس کا صرف اور صرف ایک ہی مطلب ہے۔ اور وہ یہ کہ اس چیز کا تعلق یا تو قاتل سے ہے یا مقتول سے۔ اور اسے قاتل نے غائب کر دیا ہے۔"

"کیا!!!" کئی آوازیں ابھریں۔

نیا خیال

وہ چند لمحے تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر اندر آ گئے:

"پہلی بات تو یہ کہ وہ پنسل نہیں تھی۔ موٹے مارکر کی شکل صورت جیسی کوئی چیز تھی۔ کیا چیز تھی۔ ابھی ہم کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے۔ لیکن تھی ضرور کوئی اہم چیز۔ اہم نہ ہوتی تو قاتل اسے غائب کیوں کرتا۔" محمود نے اعلان کیا۔

"معاملہ کافی پُراسرار ہو گیا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"گویا تم بھی دل چسپی لینے پر مجبور ہو گئے ہو۔ شکر ہے۔ پتھر میں جونک تو لگی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"یہ۔ یہ۔ یہ کیا۔" محمود دھک سے رہ گیا۔ اس کی آنکھیں پھٹ اور خوف سے پھیل گئیں۔

"کہاں۔ کیا؟" فرزانہ اور فاروق کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ اور پھر انھوں نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

محمود کی نظریں لاش کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یہ۔ یہ۔ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" فاروق کے لہجے میں خوف تھا۔

باقی تمام لوگوں نے بھی آگے آ آ کر لاش کے چہرے کو دیکھا اور حیرت زدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ لاش کے گال اب پچکے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

ذرا سے وقت میں۔ دوسری بار تبدیلی۔ پہلے جب ہم نے اس شخص کو دیکھا تھا۔ اس کے گال پچکے ہوئے تھے۔ مُردہ حالت میں دیکھا تو گال پھولے ہوئے نظر آئے اور اب پھر گال پچکے نظر آ رہے ہیں۔ یہ اس آدمی کے گال ہیں یا گرگٹ۔ ارے ہاں۔ انکل۔ کیا یہ مسٹر عزیز بھائی بیزار ہی ہیں؟"

"ہاں! یہ وہی جوہری ہے۔ جو مجھے ہوٹل میں ملا تھا اور میں نے اس سے درخواست کی تھی کہ ہیرے مجھے دکھائے۔ آج اس دعوت کے بعد اس کا ہیرے مجھے دکھانے کا پروگرام تھا۔ مل۔ لیکن۔ یہ بے چارہ اب اس قابل کہاں رہا۔"

"اور۔ اور ہیرے۔" فرزانہ نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہیرے۔ اس کی کسی جیب میں ہوں گے۔ یا پرس وغیرہ میں۔ بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہاں آنے کے بعد یہ مجھ تک

تو پہنچا ہی نہیں۔"

"ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن ایک اور بات بھی الجھن والی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اور وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ۔ یہ بات صرف اور صرف آپ کو معلوم تھی کہ یہ شخص ہیرے لے کر آنے والا ہے۔"

"کک۔ کیا مطلب۔ کیا تم لوگ یہ خیال کر رہے ہو کہ میں نے ان ہیروں کے چکر میں اسے قتل کر دیا ہے۔" نواب صادق نے جھلا کر کہا۔

"ابھی ہم کچھ بھی خیال نہیں کر رہے۔ ابھی تو تمام باتوں کا جائزہ لے رہے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن تم لوگوں کو ایک بات ذہن میں رکھنی چاہیے۔" نواب صاحب نے بے تاباز انداز میں کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ۔ میں اس سے مل بھی نہیں سکا۔ اس کے علاوہ جب اس کو قتل کیا گیا۔ میں سب لوگوں کے ساتھ گیلری میں موجود تھا۔"

"کیا آپ اپنی صفائی پیش کرنا چاہتے ہیں کہ آپ اس شخص کے قاتل ہو ہی نہیں سکتے۔"

"ہاں! یہی سمجھ لو۔" انھوں نے کہا۔

"تو پھر یہ صفائی غیر تسلی بخش ہے۔" محمود نے خشک لہجے میں کہا۔

"وہ کیسے؟" انھوں نے محمود کو گھورا۔

"اس طرح کہ آپ کو معلوم تھا۔ یہ شخص ہیرے لے کر آنے والا ہے۔ اسی لیے آپ نے اپنے کسی خاص ملازم کو سمجھا دیا تھا کہ جب وہ آئے۔ اسے ختم کر دیا جائے اور اس سے ہیرے حاصل کر لیے جائیں۔"

"افسوس! تم نے مجھ پر بہت سنگین الزام لگا دیا۔ اوّل تو میں کوئی غریب آدمی نہیں۔ دوسرے میرے اپنے پاس ان گنت ہیرے موجود ہیں، پھر بھلا میں اس کے ہیروں کے لیے اسے کیوں قتل کراتا۔ جب کہ ابھی اس کے ہیروں کی حقیقت کا بھی مجھے علم نہیں ہوا تھا۔"

"یہ کوئی جواب نہیں۔ جواب ایسا ہو کہ جس کو عدالت بھی تسلیم کر لے۔"

"مجھے کوئی ضرورت نہیں ایسا جواب دینے کی۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔"

"ابھی ہم نے آپ پر الزام عاید بھی نہیں کیا۔ ابھی تو یوں ہی باتیں ہو رہی ہیں، خیالی گھوڑے دوڑائے جا رہے

ہیں۔ لیکن بہرحال اسے قتل تو کیا گیا ہے۔ اور قاتل یہیں موجود ہے۔" محمود نے نرم آواز میں کہا۔

"خیر۔ یہ تمہارا کام ہے۔ قاتل کو تلاش کرو۔ مل جائے تو اسے گرفتار کر لو اور اگر میں قاتل ثابت ہو جاؤں تو مجھے گرفتار کر لینا۔" انھوں نے اب بھی ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ پہلے تو ہم اس کی تلاشی لیں گے۔ کیا خبر ہیرے اس کے پاس ہی ہوں۔"

یہ کہہ کر محمود نے تلاشی شروع کر دی، لیکن اس کے پاس سے کوئی ہیرا برآمد نہیں ہوا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ شخص ہیرے لے کر آیا ہی نہ ہو۔" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

"سبھی کچھ ہو سکتا ہے۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کی نظر اپنے کسی دشمن پر پڑ گئی تھی۔ سو اس نے فوراً کسی طرح اپنے گال پھلا لیے۔ تاکہ دشمن پہچان نہ لے۔ لیکن دشمن زیادہ چالاک ثابت ہوا۔ اس نے اس بدلے ہوئے حلیے میں بھی اسے پہچان لیا۔ ادھر اس نے بھی یہ بات بھانپ لی کہ اسے پہچان لیا گیا ہے؛ چنانچہ یہ بھاگا۔ ادھر دشمن نے اس کا تعاقب کیا۔ اس نے اس کمرے کی کھڑکی کے ذریعے نکل جانا چاہا۔ اندر تک چلا آیا۔ کھڑکی کی چٹخنی بھی

گرا دی، لیکن اسی وقت قاتل اس تک پہنچ گیا اور اس نے اس کی کمر میں خنجر گھونپ دیا، پھر چٹخنی لگا کر کمرے سے نکل گیا۔"

"لیکن کیوں۔ اسے چٹخنی لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر وہ چٹخنی لگائے بغیر نکل جاتا تو کیا فرق پڑ جاتا۔"

"اس نے خیال کیا ہوگا کہ کھلی کھڑکی دیکھ کر پولیس خیال کرے گی کہ اس نے یہاں اپنے کسی دشمن کو دیکھ لیا تھا۔ اب اسے کیا معلوم کہ یہ بات ہم اس کے حلیہ تبدیل کرنے سے بھی سمجھ چکے ہیں۔"

"ہوں! بات حلق سے اترتی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"تو اتار لو۔ منع کس نے کیا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"ہیرے یا تو غائب ہیں۔ یا پھر یہ شخص لایا ہی نہیں تھا۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ ہیرے ساتھ لایا تھا۔ تو پھر وہ کہاں گئے۔ اتنی جلدی قاتل نے ہیرے کس طرح نکال لیے۔ خنجر گھونپنے کے بعد تو اس کے پاس ذرا بھی وقت نہیں تھا۔"

"مجھے ایک اور خیال آیا ہے۔" فاروق پرجوش انداز میں بولا۔

"بہت اچھی بات ہے کہ تمہیں بھی کوئی خیال آیا ہے۔ جلدی بتاؤ۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"خیال یہ ہے کہ۔ اس نے تلاشی پہلے لی۔ اور خنجر بعد میں

گھونپا۔" فاروق مسکرایا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" محمود نے اُسے گھورا۔

"کیوں! بات ہونے کو اس میں کیا ہو گیا۔" فاروق جل کر بولا۔

"وضاحت کرو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"مقتول کھڑکی تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے چٹخنی بھی گرا دی، لیکن اس وقت قاتل اس تک پہنچ گیا۔ قاتل مقتول سے بہت زیادہ طاقت ور بھی تھا۔ اس نے اس کو پیچھے سے پکڑ لیا۔ اور اسی حالت میں تلاشی لے ڈالی۔ ہیرے حاصل کیے اور پھر اسے چھوڑتے ہوئے خنجر گھونپ دیا۔" فاروق جلدی جلدی بولا۔

فاروق کی رائے سُن کر محمود اور فرزانہ تھوڑی دیر تک کچھ نہ کہہ سکے۔ آخر فرزانہ بولی:

"ایسا ہو سکتا ہے۔ قاتل نے سوچا ہو گا۔ اگر وہ پہلے خنجر مارے گا اور پھر تلاشی لے گا تو اس کو قاتل کی حیثیت سے دیکھا جا سکتا ہے۔"

"خیر۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا ہے۔ ایک اُلجھن اس موٹی پنسل نما چیز کی بھی ہے۔ اس کو ہم نے بلا وجہ ہی کھڑکی سے باہر پھینک کر ضائع کر دیا۔ اس کا مطلب ہے، قاتل پہلے ہی اس طرف موجود تھا۔ اور باغ میں کہیں دبکا ہوا تھا۔ اس نے کھڑکی کے راستے سے کوئی چیز اس طرف گرتے

دیکھی۔ بس اس نے اس کو اٹھا لیا۔"

"پتا نہیں۔ وہ کیا چیز تھی۔ ہو سکتا ہے۔ پنسل کی قسم کی ہی کوئی چیز ہو اور ہو بھی قاتل کی۔ اس نے خوف محسوس کیا ہو کہ اس پر اس کی اُنگلیوں کے نشانات نہ ہوں، لہٰذا اس نے اس کو غائب کر دیا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں ایک ایسے قاتل کو تلاش کرنا ہے۔ جس کے پاس وہ پنسل نما چیز بھی موجود ہے اور ہیرے بھی۔ ارے ہاں۔ انسپکٹر صاحب۔ آپ کے عملے کو خنجر کے دستے پر اُنگلیوں کے نشانات ملے یا نہیں؟"

"جی نہیں۔ قاتل نے ہاتھوں پر دستانے پہن تھے۔ یا پھر ہاتھ پر رومال لپیٹ رکھا تھا۔"

"ہوں۔ مطلب یہ کہ قاتل کچھ کم چالاک نہیں تھا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ہم بھی اس کے لیے اناڑی جاسوس ثابت نہیں ہوں گے۔" یہ کہہ کر محمود نواب صاحب کی طرف مڑا:

"انکل! ہمارا ایک اندازہ ہے۔ کہ قاتل کو پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ عزیز بھائی بیزار یہاں ہیرے لے کر آئے گا۔ لہٰذا اس نے بھی پہلے ہی اس سے ہیرے چھیننے کا پروگرام بنا لیا تھا۔ ہمارا آپ سے یہ سوال ہے کہ آپ نے یہ بات اور کس کو بتائی تھی کہ آج آپ دعوت کے بعد عزیز بھائی بیزار سے ہیرے

خریدیں گے۔"

"کسی کو بھی نہیں۔" انھوں نے کہا۔

"کیا آپ یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتے ہیں؟"

"ہاں بالکل۔" وہ بولے۔

"تب پھر قاتل کو کسی اور ذریعے سے یہ بات معلوم ہوئی ہوگی۔ لیکن اسے معلوم ضرور ہو چکی تھی۔ اور ایک بات اور وہ آپ کے گھر سے بھی اچھی طرح واقف ہے۔ تبھی تو وہ فوراً عزیز بھائی تک پہنچ گیا اور پھر وہ پنسل نما چیز حاصل کرنے کے لیے بیرونی حصے میں بھی پہنچ گیا۔ جب کہ ہم نے مہمانوں میں سے کسی کو بھی حرکت کرتے نہیں دیکھا۔"

"میرے جتنے بھی دوست اس وقت یہاں موجود ہیں۔ سوائے تم تینوں کے، وہ سب میرے گھر کو اچھی طرح دیکھے بھالے ہوئے ہیں، اس لیے کہ یہاں آتے ہی رہتے ہیں۔" نواب صاحب بولے۔

"یہاں اس وقت سو کے قریب مہمان تو ضرور موجود ہوں گے۔ سو آدمیوں پر نظر رکھنا آسان کام نہیں۔ اور پھر ہمیں تو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ مجرم کا پروگرام کیا ہے۔ لہٰذا گیلری میں سے وہ نکل گیا، اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دے سکا۔ اس طرح جب ہم نے پنسل کو باہر پھینکنے کا ارادہ کیا۔ وہ باہر

کھسک گیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے ہی باہر موجود ہو۔"

اوہو۔ ایک نیا خیال!" محمود چونک گیا۔

"نیا خیال۔ جلدی کہو۔ ترس گئے ہیں اس معاملے میں کسی نئے خیال کو۔" فاروق بے چین ہو کر بولا۔

"ہم اب تک اس لائن پر غور کرتے رہے ہیں کہ قاتل اکیلا ہے۔ لیکن ہم نے اس پہلو پر غور کیا ہی نہیں کہ اس کا کوئی ساتھی بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس ساتھی کو اس نے باہر مقرر کر رکھا ہوگا تاکہ اگر کوئی ضرورت پیش آ جائے تو اس سے کام لیا جا سکے۔ یا مدد لی جا سکے۔"

"یہ صرف ایک خیال ہے۔ ضروری نہیں کہ ایسا ہو بھی۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"وجہ اس کی اس لیے سمجھ میں آتی ہے کہ پنسل نما چیز حیرت انگیز طور پر غائب ہو گئی۔ اور ہم نے مہمانوں میں سے کسی کو باہر جاتے نہیں دیکھا۔"

"خیر۔ سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں۔ یہاں ایک دو صاحبان تو موجود ہیں نہیں۔ سو کے قریب ہیں۔ اب کیا ہم ان سب کو چیک کریں۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

"نہیں۔ ان سب کو پریشان کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ تاہم ہمارے پاس ان سب کے نام اور پتے ہونا ضروری ہے۔"

"وہ میرے پاس ہیں۔" نواب صاحب بولے۔

"تب پھر۔ اگر آپ اپنے مہمانوں کو رخصت کرنا چاہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہاں انسپکٹر صاحب سے بھی پوچھ لیں۔" محمود نے کہا۔

"اصولی طور پر تو ان سب حضرات سے پوچھ گچھ ہونی چاہیے، لیکن جب کہ ہمارے پاس ان سب کے نام پتے موجود ہیں، تو ہم بعد میں بھی تفتیش کے لیے ان کے پاس جا ہی سکتے ہیں۔ سب سے ضروری کام ہم نے اب تک نہیں کیا۔" انسپکٹر تیموری نے منہ بنا کر کہا۔

"وہ کیا جناب؟" فاروق چونکا۔

"عزیز بھائی کے گھر والوں کو اطلاع نہیں دی گئی؛ حالاں کہ یہ بہت ضروری ہے۔"

"اوہ ہاں؛ لیکن ہم اطلاع کس طرح دیں۔ میں تو ان کے گھر کا فون نمبر وغیرہ نہیں جانتا۔ میری تو ان سے ملاقات ہوٹل گلنار میں ہوئی تھی۔"

"تب پھر ہوٹل گلنار والوں سے معلوم کریں۔ شاید انھیں معلوم ہو۔ یہ غریب کہاں رہتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اچھا!" نواب صاحب نے کہا اور پھر ہوٹل گلنار کے نمبر ملانے لگے، سلسلہ ملنے پر انھوں نے کہا:

"ہیلو۔ نواب صادق علی خان بول رہا ہوں۔ اوہ۔ مینیجر صاحب آپ ہیں۔ کیا آپ کو عزیز بھائی ہیرا کے گھر کا پتا معلوم ہے؟"

دوسری طرف کا جواب سننے کے بعد انھوں نے ریسیور رکھ دیا:

"صرف ہوٹل کے مالک کو معلوم ہے۔ اور وہ اس وقت ہوٹل میں موجود نہیں ہیں۔"

"اوہ۔ پھر۔ اب کیا کیا جائے؟" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہوٹل کے مالک کی واپسی تک صبر کرنا پڑے گا۔"

"یہ بات بھی ویسے ہے عجیب۔ ہوٹل میں آپ کی ملاقات عزیز بھائی سے ہوئی۔ اور آپ نے اس سے ہیرے خریدنے کا پروگرام بنا لیا۔" فرزانہ نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"اس کا تعارف ہوٹل کے مالک نے ہی کرایا تھا۔ اور یہ کہا تھا کہ یہ ہیروں کے بہت ماہر بیوپاری ہیں اور اس میدان میں کسی سے دھوکا نہیں کرتے۔ ان کے پاس نقلی ہیرے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تب پھر ہوٹل کے مالک کو ضرور ان کے گھر کا پتا معلوم ہو گا۔ آپ ان سے معلوم تو کریں۔ وہ گئے کہاں ہیں۔" فاروق نے کہا۔

ایک بار پھر نواب صاحب نے فون کیا۔ اور دوسری طرف

کی بات سن کر رکھ دیا:

"مینجر کا کہنا ہے کہ وہ کسی دوست کے گھر گئے ہیں۔ ایک آدھ گھنٹے تک آ جائیں گے۔"

"دھت تیرے کی!" محمود نے جلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

اور پھر نواب صاحب کے مہمان رخصت ہوتے چلے گئے۔

پولیس انسپکٹر بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر چلتا بنا۔ کسی چیز پر بھی انگلیوں کے نشانات نہیں مل سکے تھے۔ ٹھیک آدھ گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی۔ نواب صاحب نے جلدی سے ریسیور اٹھایا۔ پھر چہک کر بولے:

"اوہ انواری صاحب۔ آپ ہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔ آپ تشریف تو لائے۔ یہاں ایک بہت سنگین واقعہ پیش آ گیا ہے۔ وہ آپ نے عزیز بھائی بزاز کا تعارف مجھ سے کرایا تھا نا۔ انہی کے گھر کا پتا درکار ہے۔ آپ کے مینجر سے پوچھا تھا۔ اسے بھی معلوم نہیں۔ آپ کو تو یقیناً معلوم ہو گا۔"

"اچھا۔ کمال ہے۔" انھوں نے حیرت زدہ انداز میں کہا اور ریسیور رکھ دیا:

"لیجیے۔ اب آئیں گے چکر۔" نواب صاحب بولے۔

"تو ہوٹل گلنار کے مالک کو بھی اس بے چارے کے گھر کا پتا معلوم نہیں۔"

"نہیں!" نواب صاحب بولے۔

"حیرت ہے۔ وہ دوسروں کو اس سے متعارف کراتے رہے اور اس کے گھر کا پتا تک معلوم نہیں تھا۔" محمود بڑبڑایا۔

"یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ یہ اکثر ہوٹل میں آتا ہو گا۔ خود انواری نے بھی اس سے کچھ ہیرے خریدے ہوں گے، لہٰذا اطمینان ہو جانے کے بعد دوسروں سے بھی تعارف کرانے لگے۔" نواب صاحب بولے۔

"ہوں! تو پھر اب ہم بھی یہاں ٹھہر کر کیا کر سکتے ہیں۔ یہ معاملہ تو اب کل پر جا پڑا۔"

"کل پر۔ کیا مطلب؟"

"صبح کے اخبارات میں اس کی تصویر شائع کی جائے گی۔ اور اس کی لاش کے ملنے کی خبر لگائی جائے گی۔ گھر والے خود ہی مردہ خانے میں آ کر تلاش کر لیں گے۔"

"ہوں۔ اب اس کے سوا کیا کیا جا سکتا ہے۔ کیا خیال ہے انکلز۔ آپ بھی چل رہے ہیں۔" انھوں نے خان رحمان اور پروفیسر داؤد کی طرف دیکھا۔

"بالکل۔ جانا ہی ہو گا۔" انھوں نے کہا۔

"ایک بات پر مجھے حیرت ہے۔ جمشید کیوں نہیں آئے اب تک؟"

"انھیں ایک بہت اہم کام آ پڑا تھا۔ انھوں نے ہم سے

یہی کہا تھا کہ اگر وقت پر فارغ ہو گیا تو آ جاؤں گا۔ ورنہ
نہیں۔ اور ان کے یہاں نہ پہنچنے کا بس یہی مطلب ہے کہ
وہ فارغ نہیں ہو سکے۔"

"لیکن یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ انہیں یہاں ہر حال میں
پہنچنا چاہیے تھا۔ خیر میں فون پر شکایت کروں گا۔"

"ضرور کیجیے گا۔ یہ آپ کا حق ہے۔ اب آپ انسپکٹر تیمور
کو فون کر دیں۔ کہ لاش کو مردہ خانے بھجوا دیں۔"

"اچھا!" انھوں نے کہا اور وہ وہاں سے نکل آئے۔

گھر پہنچے تو انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر ان کا استقبال کیا:

"میں جانتا ہوں۔ آپ دونوں گلا کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

"نہیں جمشید۔ وہاں قتل کی ایک واردات ہو گئی ہے۔"

خان رحمان بولے۔

"اوہو۔ اچھا۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں! پُراسرار واردات ہوئی ہے۔"

"تمھارا مطلب ہے۔ قاتل گرفتار نہیں ہو سکا۔" وہ بولے۔

"جی نہیں!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اور تم تینوں واپس آ گئے۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہم وہاں رات کو رُک کر کیا کرتے۔ آنا ہی پڑا۔"

"مجھے حالات سناؤ۔ شاید میں کسی نتیجے پر پہنچ سکوں۔"

"جی بہتر!" فرزانہ بولی۔

اور واقعات سنانے لگی۔ پھر جوں ہی اس کے منہ سے
عزیز بھائی کا نام نکلا، انسپکٹر جمشید زور سے چونکے:

"تم نے کیا نام لیا فرزانہ؟"

"عزیز بھائی بزاز۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

محمود، فاروق، خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی حیران ہوئے
بغیر نہ رہ سکے۔

"مم۔ مجھے اس وقت قصبہ بھولن شاہ جانا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید
اُٹھتے ہوئے بولے۔

"لیکن کیوں؟" ان کے منہ سے نکلا۔

"میں اس شخص کے بارے بہت کچھ جانتا ہوں۔"

"تب پھر ہمیں بھی ساتھ لے چلیں۔" محمود نے پُرجوش انداز میں
کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ بولے۔

اور تھوڑی دیر بعد وہ پھر قصبہ بھولن شاہ کا رُخ کر رہے
تھے۔

پُراسرار معاملہ

نواب صادق علی خان نے انہیں حیران ہو کر دیکھا، پھر انسپکٹر جمشید کو دیکھ کر زور سے چونکے:

"میرا تو خیال تھا کہ آپ لوگ واپس چلے گئے ہیں۔ لیکن شاید راستے میں آپ کو انسپکٹر جمشید مل گئے اور یہ آپ کو ادھر لے آئے۔" نواب صاحب نے جلدی جلدی کہا۔

"جی نہیں۔ یہ بات نہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"تو پھر۔ کیا بات ہے؟"

"ہم دارالحکومت پہنچ گئے تھے۔ ادھر ابا جان گھر پہنچ گئے تھے۔ ہم نے انہیں یہاں پیش آنے والا واقعہ سنایا تو یہ اس وقت یہاں آنے پر مجبور ہو گئے۔"

"لیکن کیوں۔ ایسی کیا بات ہے؟"

"مجھے عزیز بھائی بیزار کے نام نے یہاں آنے پر مجبور کیا۔"

"کیا مطلب؟" نواب صاحب بولے۔

"سب سے پہلے میں اس لاش کو دیکھنا چاہوں گا۔ اس کے بعد کوئی بات کروں گا۔"

"لاش مُردہ خانے لے جائی جا چکی ہے۔ ہمیں وہیں چلنا ہو گا۔" نواب صاحب بولے۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ بے چاری لاش کو زحمت دینا تو مناسب نہیں ہو گا۔" فاروق مسکرایا۔

وہ مُردہ خانے پہنچے۔ جونہی لاش پر سے کپڑا ہٹایا گیا۔ انسپکٹر جمشید زور سے چونکے اور بول اٹھے:

"یہ عزیز بھائی بیزار کی لاش نہیں ہے۔"

"جی۔ کیا فرمایا آپ نے۔ یہ لاش عزیز بھائی بیزار کی نہیں ہے۔" محمود حیران رہ گیا۔ باقی کے منہ بھی کھل گئے۔

"ہاں! یہی کہا ہے میں نے۔ یہ عزیز بھائی کی لاش نہیں ہے۔ اس لیے کہ میں عزیز بھائی کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔"

"عجیب بات ہے۔ بلکہ عجیب ترین۔ ہوٹل گلنار کے مالک نے خود میرا اس شخص سے یہ کہہ کر تعارف کرایا تھا کہ یہ عزیز بھائی بیزار ہیں۔ ہیروں کے سوداگر اور اس میدان کے بہت ماہر کھلاڑی۔"

"تب ہمیں ہوٹل گلنار کے مالک سے ملاقات کرنا ہو گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آئیے۔ چلے چلتے ہیں اس کے پاس بھی۔"

وہ وہاں سے ہوٹل گلنار پہنچے، لیکن ہوٹل کا مالک سرور
انواری اپنے گھر جا چکا تھا۔ اس لیے انہیں وہاں جانا پڑا۔
محمود نے دروازے کی گھنٹی بجائی۔ ایک لمبے قد کے ملازم نے
دروازہ کھولا:

"جی فرمائیے۔"

"ہمیں انواری صاحب سے ملنا ہے۔"

"وہ تو گھر نہیں ہیں۔"

"اچھا! لیکن ہوٹل سے تو یہی بتایا گیا ہے کہ گھر جا چکے ہیں۔"

"راستے میں کہیں رک گئے ہوں گے۔" ملازم نے کہا۔

"تو پھر ہم ان کا کچھ دیر انتظار کر لیتے ہیں۔"

"انتظار فضول ہوگا جناب۔ ان کا کوئی بھروسہ نہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم انتظار کریں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جیسے آپ کی مرضی۔ تشریف لائیے۔" ملازم نے کندھے اچکائے۔
وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔
ملازم انہیں بٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔ انھوں نے ڈرائنگ روم
پر نظر ڈالی۔ بہترین طرز پر سجا ہوا تھا۔

"آپ نے بتایا نہیں۔ آخر آپ عزیز بھائی بیزار کے بارے
میں کیا جانتے ہیں؟"

"عزیز بھائی بیزار ہیروں کا بہت بڑا سمگلر ہے۔ کئی

ملکوں کی پولیس اس کی تلاش میں رہتی ہے۔ وہ بہت تیز طرار
ہے۔ پولیس کو غچے پر غچہ دے چکا ہے، لیکن آج تک
قابو میں نہیں آیا! تاہم پولیس اس کی تصاویر حاصل کرنے
میں کامیاب ضرور ہو چکی ہے۔ آج تک کسی کو اس کے
ٹھکانے کا کوئی علم نہیں ہو سکا۔"

"آپ تو بہت سنسنی خیز باتیں بتا رہے ہیں۔ ان حالات
میں ہوٹل گلنار کے مالک نے آخر کسی آدمی کا تعارف عزیز
بھائی کے نام سے کیوں کرایا تھا۔ اس طرح تو ہوٹل کا
مالک شک کی زد میں آ جاتا ہے۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ اس کو بھی یہ بات معلوم نہ ہو کہ یہ عزیز
بھائی بیزار اصلی والا نہیں ہے۔ بلکہ نقلی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن ہوٹل کے مالک نے آخر یہ تو سن ہی رکھا ہوگا
کہ عزیز بھائی بیزار دراصل ایک سمگلر ہے۔ اور جب عزیز
بھائی بیزار نام کا آدمی اس کا واقف بنا۔ اسے پہلی فرصت
میں پولیس کو فون کرنا چاہیے تھا۔" خان رحمان بولے۔

"پتا نہیں۔ کیا چکر ہے۔" پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔

"اگر آپ دونوں بور ہو رہے ہوں تو آپ واپس چلے
جائیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"واپس جانا ہوتا تو یہاں کیوں آتے۔" خان رحمان بولے۔

"میں اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ خاموش ہو گئے۔ پھر ایک درمیانے قد کا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کا رنگ سانولا تھا، جسم قدرے موٹا۔ چہرے سے بہت چالاک آدمی جان پڑتا تھا۔

"میں نے آپ لوگوں کو پہچانا نہیں۔" وہ حیرت زدہ انداز میں بولا۔

"آپ ہوٹل گلنار کے مالک ہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! بالکل ہوں۔"

"آپ کا نام؟"

"سرور تارا انصاری۔" اس نے کہا۔

"شکریہ۔ میں انسپکٹر جمشید ہوں۔"

"اوہو۔ اچھا۔ آپ تو بہت مشہور ہستی ہیں۔" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت در آئی۔

"جی بس۔ یہ سب اللہ کا کرم ہے۔ ہم پہلے ہوٹل گئے تھے۔"

"اچھا۔ ہاں! میں وہاں سے کچھ دیر پہلے چلا آیا تھا۔ ایک دوست سے ملنے چلا گیا تھا۔"

"آپ نواب صادق صاحب کو جانتے ہوں گے؟"

"بھلا انھیں کون نہ جانے گا اس قصبے میں۔" انوار نے کہا۔

"شکریہ۔ وہ آپ کے ہوٹل میں اکثر آتے رہتے ہیں؟" انھوں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں بالکل۔ وہ اکثر چائے پینے اور دوستوں سے گپ شپ کے لیے میرے ہوٹل کا انتخاب کرتے ہیں۔"

"مسٹر عزیز بھائی بیزار بھی آپ کے ہوٹل کے گاہک ہیں شاید۔"

"جی ہاں! لیکن زیادہ پرانے نہیں۔" اس نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے۔ تھوڑا ہی عرصہ پہلے وہ آپ کے ہوٹل میں آنے جانے لگے ہیں۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"شکریہ۔ یہ صاحب کیا کام کرتے ہیں؟"

"ہیروں کے سوداگر ہیں، لیکن آپ یہ سب باتیں کس لیے پوچھ رہے ہیں؟"

"ایک بہت پُر اسرار معاملہ ہے۔ ابھی وجہ سامنے آ جائے گی۔ پہلے آپ میرے سوالات کے جواب دیں۔"

"فرمائیے۔" اس نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

"آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ وہ ہیروں کے سوداگر ہیں؟"

"خود انھوں نے بتایا تھا۔"

"کیا آپ نے بھی ان سے کچھ ہیرے خریدے تھے؟"

"ہاں! چند۔ لیکن میں اتنا شوقین نہیں ہوں۔ اس شہر میں ہیروں کے زیادہ شوقین صرف نواب صادق علی خان ہیں۔ اور اسی لیے ایک روز میں نے نواب صاحب کا تعارف ان سے کرا دیا تھا۔ وہ جب آئے تو عزیز بھائی ہال میں ہی موجود تھا۔ ہمیں ایک ہی میز پر بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ چنانچہ اس طرح نواب صاحب سے بھی اس کا تعارف کرانا پڑا۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ آپ اخبار کون کون سے پڑھتے ہیں؟"

"صرف ایک۔ نوائے وقت۔" اس نے کہا۔

"پوری تفصیل سے یا سرسری انداز میں؟"

"میں صرف سرخیاں پڑھنے کا عادی ہوں۔" اس نے کہا۔

"تو کسی اخبار میں کبھی آپ نے عزیز بھائی بیزار کا نام نہیں پڑھا۔ اس کے بارے میں کسی خبر کی سرخی نہیں پڑھی؟"

"ن۔ نہیں تو۔ کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"یا تو آپ کو واقعی معلوم نہیں کہ عزیز بھائی بیزار دراصل کون ہے۔ یا پھر آپ بن رہے ہیں۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کون ہے عزیز بھائی بیزار۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"آئیے ہمارے ساتھ۔ آپ کو مردہ خانے تک چلنا پڑے گا۔"

"ج۔ جی۔ کیا فرمایا۔ مردہ خانے تک؟" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں! مردہ خانے تک۔"

"ماجرا کیا ہے؟"

"وہیں چل کر معلوم ہو گا کہ معاملہ کیا ہے۔"

"تت۔ تو پھر چلیے۔" اس نے کہا۔

وہ اس کے ساتھ مردہ خانے کی طرف روانہ ہوئے۔ مردہ خانے کے چوکیدار نے انہیں حیران ہو کر دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو۔ آپ لوگ پھر آ گئے۔ کیا ملے گا آپ کو ان مردوں سے۔ یہ تو اپنی ناک پر سے مکھی بھی نہیں ہٹا سکتے۔

اور پھر عزیز بھائی بیزار کے چہرے پر سے کپڑا ہٹایا گیا۔ انواری فوراً بول اٹھا:

"اف مالک۔ عزیز بھائی بیزار مر گیا۔"

"تو یہی عزیز بھائی بیزار ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں! میں نے اس کا ہی نواب صادق صاحب سے تعارف کرایا تھا۔"

"ہوں۔ عجیب بات ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"کک۔ کون سی بات عجیب ہے؟" انواری نے حیران ہو کر کہا۔

"آخر اس شخص نے اپنا نام عزیز بھائی بیزار کیوں بتایا؟" انھوں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"آپ۔ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" انواری بولا۔

"یہ شخص کسی طرح بھی عزیز بھائی بیزار نہیں ہو سکتا۔"

"جی۔ کیا فرمایا۔ یہ عزیز بھائی بیزار نہیں ہے۔" وہ چلا کر بولا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"لیکن۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس نے مجھے اپنا یہی نام بتایا تھا۔ اور یہ بھی کہ یہ ہیروں کا سوداگر ہے، پھر میں نے اس سے چند ہیرے بھی خریدے تھے۔ اگر یہ شخص عزیز بھائی نہیں تھا تو اپنا یہ نام بتانے کی اسے کیا ضرورت تھی۔"

"ہم بھی تو یہی جاننا چاہتے ہیں۔"

"لیکن آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ یہ شخص عزیز بھائی بیزار نہیں ہے؟"

"میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں اور پہچانتا ہوں۔"

"حیرت ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ عزیز بھائی۔ زندہ سلامت ہے۔ اور یہ کوئی اور ہے۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔" وہ مسکرائے۔

"پھر آپ ہی فرمائیے۔ اس میں میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"ہاں! آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن اصلی عزیز بھائی بیزار کو تلاش کرنے کی کوشش تو کر ہی سکتے

ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا یہ شخص اپنی موت نہیں مرا ہے؟" انواری نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس کو قتل کیا گیا ہے۔ آج اس کو نواب صاحب کو اپنے ہیرے دکھانا تھے۔ نواب صاحب نے اسے اپنے گھر بلایا تھا، لیکن چوں کہ اُن کے گھر آج دعوت بھی تھی۔ اس لیے۔ انھوں نے اس کو ایک عدد کارڈ بھی دیا تھا۔ کارڈ کے بغیر ان کی کوٹھی میں آج کے دن داخلہ بند تھا۔ یہ حضرت وہاں پہنچ گئے، لیکن کسی نے ان پر ہاتھ صاف کر دیا۔"

"اوہ۔ اور کیا۔ اس کے پاس ہیرے تھے؟"

"ملے تو نہیں۔ اب یہ اللہ جانتا ہے کہ تھے یا نہیں۔"

"ہوں۔ بہت ہی عجیب و غریب سا معاملہ ہے۔ اب تو میں سوچ رہا ہوں۔ اس سے جو ہیرے خریدے تھے۔ میں کسی جوہری سے چیک کرا لوں۔ کہیں وہ بھی اس کی طرح نقلی نہ ہوں۔"

"ہاں! آپ یہ کام ضرور کریں۔"

"آپ اصلی عزیز بھائی کو کیسے پہچان سکتے ہیں؟" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میرے پاس اس کی تصاویر موجود ہیں۔"

"تو کیا یہ شخص اس کی شکل صورت کا نہیں ہے؟"

"شکل صورت اس جیسی ضرور ہے۔ ارے کہیں یہ میک اپ میں تو نہیں؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"پہلے ضرور تھا۔ اب نہیں۔ اب تو گال پچکے ہوئے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"تم سمجھے نہیں۔ میرا مطلب ہے۔ جب تم نے اسے دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے۔ یہ اس وقت بھی میک اپ میں رہا ہو۔ اگر یہ نقلی عزیز بھائی بنا ہے۔ یا بنایا گیا ہے تو شکل صورت میں تبدیلی بھی تو کی گئی ہو گی۔"

یہ کہہ کر وہ اس کے چہرے پر جھک گئے۔ دو تین منٹ تک بغور جائزہ لیتے رہے۔ پھر جیب سے ایک ننھی سی بوتل نکال کر اس میں سے دوا کے چند قطرے روئی پر لیے اور اس روئی کو مردے کے چہرے پر پھیرنے لگے۔ وہ یہ کرتے جا رہے تھے اور ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں، کیوں کہ مردہ چہرے کی جلد اب اور ہی نکلتی چلی جا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے سامنے بالکل سفید رنگ کا ایک چہرہ موجود تھا۔ اور پہلا چہرہ بالکل غائب ہو چکا تھا۔

"کیا آپ اس چہرے کو پہچانتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے انواری سے پوچھا۔

"ن۔ نہیں جناب۔ میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے۔ جب یہ شخص پہلی مرتبہ آپ کو ملا تھا، اس وقت اس نے اپنا نام عزیز بھائی بیزار بتایا تھا۔ اب آپ کو کیا معلوم کہ یہ عزیز بھائی بیزار ہے یا نہیں۔"

"جی ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" انواری نے جلدی سے کہا۔

"لیکن ابا جان۔ آخر اس شخص کو یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ عزیز بھائی کی تلاش میں تو کئی ملکوں کی پولیس لگی ہوئی ہے۔ ان حالات میں تو عزیز بھائی نے اپنے چہرے میں تبدیلی کر کے اپنا نام کچھ اور رکھ لیا ہو گا۔ لیکن یہ شخص کس قدر بے وقوف تھا کہ اپنا وہ نام رکھ لیا۔ جو خطرات میں گھرا ہوا تھا۔"

"ہو سکتا ہے۔ اس کو معلوم نہ ہو کہ عزیز بھائی بیزار دراصل کون ہے۔"

"یہ اپنا فرضی نام عزیز۔ یا عزیز بھائی تو رکھ سکتا تھا۔ عزیز بھائی بیزار ہرگز نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس وقت مشابہت بلا وجہ بہت مشکل ہے۔ لہٰذا یہ نام اس نے سوچ سمجھ کر۔ یا کسی خاص مقصد کے تحت رکھا تھا۔"

"معاملہ اب اور الجھ گیا ہے۔ ہم اسے جتنا سلجھانے کی

کوشش کر رہے ہیں۔ یہ ہے کہ اتنا ہی الجھتا جا رہا ہے۔ عجیب ہے یہ معاملہ بھی۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

"اور اب ہمیں ایک اور بات بھی معلوم کرنا ہو گی۔" محمود مسکرا دیا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ شخص آخر کون ہے۔ قصے میں کوئی تو اس کا واقف نکل ہی آئے گا۔ اور اس سے ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ دراصل کون ہے۔ شاید کوئی یہ بھی بتا دے کہ اس نے اپنا حلیہ کیوں تبدیل کیا۔ اور عزیز بھائی بیزار نام کیوں رکھا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے اس کا حلیہ نشر کیا جائے گا۔ اور اگر اس کا کوئی وارث ہوا۔ تو آ ہی جائے گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

انسپکٹر جمشید نے مردہ خانے کے انچارج کو اس مردے کے بارے میں ہدایات دیں، پھر ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات میں اس کا حلیہ نشر کیے جانے کا انتظام کیا۔ اور وہاں سے نواب صاحب کی کوٹھی میں آ گئے۔

"یہ رات ہمیں آپ کے ہاں گزارنا ہو گی۔"

"ضرور۔ اس سے مزے کی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"آپ جس عزیز بھائی بیزار سے ملے۔ دراصل وہ عزیز بھائی نہیں تھا۔"

"کیا مطلب؟" نواب صاحب چونکے۔

انھوں نے نواب صاحب کو بھی مختصر طور پر واقعات بتا دیے۔ ان کی حیرت کا کیا پوچھنا۔ دوسرے دن گیارہ بجے کے قریب انھیں مردہ خانے کے انچارج کی طرف سے فون موصول ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا:

"اس مردے کا ایک وارث یہاں موجود ہے جناب۔ تشریف لے آئیے۔"

علیک سلیک

وہ کمرہ خانے میں داخل ہوئے۔ ایک نوجوان آدمی خلا میں نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ قدموں کی آہٹ سن کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ انچارج نے ان سے کہا:

"یہ مسٹر پرویز راہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مقتول ان کا بڑا بھائی تھا۔"

"ہوں! آپ کے بھائی۔ کیا کام کرتے تھے؟" انھوں نے پوچھا۔

"م۔ میں نہیں جانتا۔"

"کیا مطلب۔ آپ نہیں جانتے۔"

"ہاں! تین سال پہلے یہ لڑ کر گھر سے چلے گئے تھے۔ اس دن کے بعد میں نے آج دیکھا ہے۔ میں نے انھیں کہاں کہاں تلاش نہیں کیا۔ پولیس میں رپورٹ بھی درج کرائی تھی۔ ان کی گم شدگی۔ لیکن میں انھیں تلاش نہیں کر سکا۔"

"گم ہونے سے پہلے یہ کیا کرتے تھے؟"

"کبھی کچھ کر لیا۔ کبھی کچھ۔ ان میں مستقل مزاجی نہیں تھی، کسی ایک کام میں ان کا دل نہیں لگتا تھا۔ اور میں ان سے کہا کرتا تھا کہ کوئی کام جم کر کرلیں۔ ایک روز یہ مجھ سے اسی بات پر خوب لڑے اور پھر گھر سے چلے گئے۔" یہ کہہ کر وہ رونے لگا۔

"حیرت ہے۔ یہ حضرت دو سال تک کہاں رہے؟" فاروق بڑبڑایا۔

"یہ بہت اہم سوال ہے۔ اور ہمیں اس سوال کا جواب معلوم کرنا ہے۔" انسپکٹر جمشید پُر جوش انداز میں بولے۔

"کیا۔ کیا میں اپنے بھائی کی لاش کو لے جا سکتا ہوں جناب؟" پرویز راہی بولا۔

"نہیں۔ ابھی نہیں۔ کل کسی وقت آپ کو لاش مل جائے گی، آپ لوگوں کو الجھن تو ہو گی۔ لیکن یہ بہت ضروری ہے۔ آخر ہمیں ان کے قاتل کو پکڑنا ہے۔"

"جی بہتر۔ تو پھر۔ کیا میں اب جا سکتا ہوں۔ یہ ہولناک خبر ابھی گھر کے لوگوں کو بھی سنانا ہے۔"

"کیا ان کے بیوی بچے ہیں؟"

"نہیں۔ انھوں نے شادی نہیں کی تھی۔ اس معاملے میں بھی ضد کرتے رہے۔ کہ کوئی پسند کی لڑکی ملے گی تو کروں گا،

ورنہ نہیں۔"

"اور ہاں! ان کا نام کیا ہے؟"

"اختر عباس۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ تشریف لے چلیں۔"

اس کے جانے کے بعد انھوں نے سوالیہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"کس نے ایک اور کروٹ لی ہے۔ اس بے چارے کا تعلق غریب گھرانے سے ہے۔ حالات کی خرابی نے اسے غصہ دلا دیا اور یہ گھر سے نکل گیا۔ اور شاید۔ اس کے بعد یہ غلط ہاتھوں میں پڑ گیا۔ گھر سے بے گھر ہو جانے والوں کے ساتھ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ وہ غلط ہاتھوں میں پڑ جاتے ہیں۔ کیوں کہ۔ ایک تو ان کے پاس سر چھپانے کی جگہ نہیں ہوتی۔ دوسرے جیب میں پیسے نہیں ہوتے۔ لہٰذا جہاں بھی انھیں یہ دو چیزیں مل جاتی ہیں۔ وہیں رک جاتے ہیں۔ اب وہ اچھے لوگ ہوں یا برے۔ ادھر برے لوگوں کو ایسے ہی لوگوں کی تلاش ہوتی ہے، کیوں کہ ایسے لوگ ان کے لیے بہت مفید رہتے ہیں۔ بس دو وقت کا کھانا دے دیا اور جو جی چاہے کام لے لیا۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"گویا۔ ہمیں۔ اب صرف اس آدمی کی تلاش ہے۔ جس

نے اس کو اپنے پاس رکھا تھا۔ غالباً اس نے اسے فرزانہ جانی پر وار کا ڈوپ دیا ہو گا۔"

"لیکن کیوں۔ اس کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"یہ تو ہم اس سے مل کر ہی پوچھیں گے۔" فاروق مسکرایا۔

"لیکن کہاں۔ وہ ہمیں کہاں ملے گا۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"ہم نے تو نہ جانے کس کس کو تلاش کر ڈالا۔ یہ بے چارہ تو ہے کس مولی کا کھیت۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"دماغ تو ٹھیک ہے۔" محمود ہنس پڑا۔

"کیوں۔ میرے دماغ کو کیا ہوا؟"

"کہہ رہے ہو۔ یہ بے چارہ تو ہے کس مولی کا کھیت۔"

"اوہ۔ الٹ ہو گیا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ اس طرح بھی درست ہے۔"

"یہ دو سال تک گھر سے غائب رہا ہے۔ اور رہا بھی اسی نشے میں۔ اس نامعلوم آدمی نے اس کے چہرے پر میک اپ کر دیا تھا۔ اس وجہ سے یہ پہچانا نہیں جا سکا۔ لیکن۔ وہ ملا تک یہ جس میک اپ میں رہا۔ اس میک اپ میں تو کچھ لوگ اسے پہچان ہی لیں گے۔"

"گویا آپ کو اس چہرے پر پھر میک اپ کرنا پڑے گا۔"

"نہیں۔ انسپکٹر تیموری کے پاس اس کی تصاویر موجود ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ ہاں!"

انھوں نے انسپکٹر تیموری سے تصاویر حاصل کر لیں۔ ان تصاویر میں کچھ بالکل سامنے کی تھیں۔ اور ان کو دکھا کر دوسروں سے پوچھ گچھ کی جا سکتی تھی۔

"سوال یہ ہے کہ اب ہم پوچھ گچھ کہاں سے شروع کریں؟"

"نواب صادق سے۔ یہ کیس اُن سے ہی شروع ہوا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ان کا جواب تو ہمیں پہلے ہی معلوم ہے۔ یہ کہ ہوٹل گلنار کے مالک نے اس آدمی سے بلوایا تھا اور ہوٹل گلنار کا مالک اس کو صرف ایک گاہک کی حیثیت سے جانتا ہے۔ جو اس کے ہوٹل میں کھانا کھانے آیا اور تعارف کے طور پر اسے بتا دیا کہ وہ ہیروں کا سوداگر ہے۔ لہٰذا ہمیں ان دونوں سے تو کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکتی۔"

"اور کوئی جگہ ہم جانتے نہیں۔ جہاں وہ اُٹھتا بیٹھتا رہا ہو، اب لے دے کے ہم انسپکٹر تیموری سے ہی کام لے سکتے ہیں۔"

"بھلا وہ ہمارے کس کام آئیں گے۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"غلط لوگوں کے اُٹھنے بیٹھنے کی جگہوں کا علم اس قصبے میں

انھی کو ہو سکتا ہے۔ ہم انھیں ساتھ لے لیتے ہیں اور کام شروع کر دیتے ہیں۔"

"ترکیب بُری نہیں۔" خان رحمان بولے۔

وہ وہاں سے انسپکٹر تیموری کے پاس پہنچے۔

"کہیے جناب۔ کیا رہا؟"

"حیرت اور اُلجھن۔ یہ دونوں چیزیں تھوک کے حساب سے بڑھ رہی ہیں۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"عزیز بھائی بیزار کی تصاویر تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔"

"جی ہاں۔ بالکل دیکھ چکا ہوں۔"

"لیکن یہ اس شخص کا اصلی چہرہ نہیں ہے۔"

"جی۔ میں ریڈیو اور ٹی وی پر اعلان سُن چکا ہوں۔"

"دو سال پہلے یہ شخص اپنے گھر سے لڑ کر چلا آیا تھا۔ اس وقت اس کی شکل صورت اور تھی۔ یہ کسی غلط آدمی کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس نے اس کے چہرے پر میک اَپ کر دیا اور اس کا نیا نام عزیز بھائی بیزار رکھ دیا۔ دو سال یہ اس محلے میں اس قصبے میں رہا۔ ہم وہ جگہیں جاننا چاہتے ہیں۔ جہاں یہ اُٹھا بیٹھتا رہا۔"

"میں سمجھ گیا۔ آپ کو بڑی سرائے لے چلتا ہوں۔" اس نے

مسکرا کر کہا۔

"بڑی سرائے۔ کیا مطلب؟"

"اس شہر کی سب سے بڑی سرائے۔ لیکن اس سرائے میں زیادہ تر غلط لوگ ٹھہرتے ہیں۔ یا پھر بھولے بھٹکے لوگ اس سرائے میں پناہ لیتے ہیں، گھروں سے بھاگ کر آنے والے بچے اور بڑے بھی اس سرائے کی گود میں پہنچ جاتے ہیں۔ ہمیں بھی سب سے پہلے وہیں جانا ہو گا۔"

"او کے۔ تو پھر چلیے۔"

"ارے۔ تو کیا آپ اسی وقت جائیں گے؟"

"اور آپ کے خیال کے مطابق ہمیں کس وقت جانا چاہیے؟"

"میں نے خیال کیا تھا کہ آپ شام کو جائیں گے۔"

"ہم رُکے بغیر کام کرنے کے عادی ہیں۔ ایک کیس جب شروع ہو جاتا ہے تو پھر رات اور دن کی کوئی قید نہیں رہ جاتی۔"

"ہوں۔ تو پھر چلیے۔ میں تیار ہوں۔"

وہ اس کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ سرائے کے دروازے پر ایک شخص بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس کا سر جھٹکے پر جھٹکے لے رہا تھا۔ انسپکٹر جمشید ہنس دیے۔

"کیا آپ اس کو اونگھتے دیکھ کر ہنسے ہیں؟" انسپکٹر تیموری نے کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"اس کا اونگھنا یہاں بہت مشہور ہے۔ سرائے کے مالک سے اکثر اوقات شکایت بھی کی گئی کہ ایسا آدمی بھلا کیا نگرانی کر سکتا ہے۔ جو ہر وقت بس اونگھتا رہتا ہو، لیکن اس نے اس کو یہاں سے ہٹانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔"

"تب پھر سرائے کا مالک کافی چالاک آدمی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"جی۔ یہ آپ نے کس طرح جانا؟" انسپکٹر تیموری کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس طرح کہ۔ میرا مشاہدہ بہت تیز ہے۔"

"ہم سمجھے نہیں۔" تینوں ایک ساتھ بولے۔

"سمجھ جاؤ گے۔ آؤ پہلے ذرا مسٹر۔ آپ نے سرائے کے مالک کا نام نہیں بتایا۔" وہ کہتے کہتے رُک گئے۔

"لاڈل جان۔" اس نے کہا۔

"کیا یہ کوئی غیر ملکی آدمی ہے؟"

"ہاں۔ بہت اچھا آدمی ہے۔ لیکن اس کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کی سرائے پر غلط لوگوں نے قبضہ جما لیا ہے۔"

"تو اس نے انھیں قبضہ کرنے ہی کیوں دیا؟" فاروق بولا۔

"اندر کاؤنٹر پر ایک ادھیڑ عمر کا سرخ و سفید رنگ والا آدمی

بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں گہری نیلی تھیں اور ان میں بلا کی چمک تھی۔
اس نے ایک نظر ان پر ڈالی اور پھر چہک کر بولا:
"اوہو۔ انسپکٹر تیموری، میں خوشی ہوئی آپ کو دیکھ کر۔"
"لیکن مسٹر روڈل۔ میرے ساتھ کچھ اور لوگ ہیں۔ اور ان سے مل کر آپ کو اور بھی زیادہ خوشی ہو گی۔" انسپکٹر تیموری بولا۔
"ضرور ضرور۔ ان کی تعریف۔" اس نے کہا۔
"یہ انسپکٹر جمشید ہیں۔ یہ ان کے بچے اور ساتھی ہیں۔ آپ نے ان کا نام تو سن رکھا ہو گا۔"
"بہت زیادہ۔ یہ تو عالمی شہرت کے مالک ہیں۔" اس نے کہا اور جلدی جلدی ان کے لیے کرسیاں سرکانے لگا:
"یہیں بیٹھنا پسند فرمائیں گے یا اندر چلیں۔"
"میرا خیال ہے۔ اندر چلنا مناسب رہے گا۔"
"اوکے۔ آیئے۔" اس نے کہا۔
پھر وہ انہیں ایک الگ تھلگ کمرے میں لے آیا۔ دروازہ اندر سے بند کرتے ہوئے اس نے کہا:
"کیا بیٹھنا پسند کریں گے؟"
"پئیں گے کچھ نہیں۔ بس آپ سے چند ایک سوال کریں گے۔"
"ضرور۔ کیوں نہیں۔"
انسپکٹر جمشید نے اختر عباس کی تصاویر اس کے سامنے رکھ دیں۔

تصاویر دیکھتے ہی وہ چونک اٹھا:
"یہ۔ یہ تو مسٹر عزیز بھائی بیزار ہے۔"
"شکریہ۔ آپ اسے کس طرح جانتے ہیں؟"
"سرائے میں اس کا اکثر آنا جانا ہے۔ یہاں رہائش پذیر لوگوں سے ملاقاتیں بھی کرتا رہتا ہے۔"
"اور کوئی بات۔ یہ کام کیا کرتا ہے؟"
"سنا ہے۔ ہیروں کی خرید و فروخت کرتا ہے۔"
"کبھی آپ کو تو ہیرے خریدنے کا اتفاق نہیں ہوا؟"
"میں کچے کام نہیں کرتا۔" روڈل جان نے مسکرا کر کہا۔
"کیا مطلب؟"
"ہیرے وغیرہ جیسی قیمتی چیزیں۔ ایسے لوگوں سے نہیں خریدتا، جو میرے نزدیک مشکوک ہوں۔"
"اور یہ شخص آپ کے نزدیک مشکوک تھا۔" انسپکٹر جمشید بول اٹھے۔
"تھا۔ آپ نے تھا کیوں کہا۔ کک۔ کیا یہ مر چکا ہے؟"
"ہاں! اس کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔" انسپکٹر تیموری نے کہا۔
"ارے باپ رے۔" روڈل جان کا رنگ سفید پڑ گیا۔
"ڈرنے اور گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں مسٹر روڈل۔ کیوں کہ اس سلسلے میں آپ پر شک نہیں ہے۔ آپ تو اس جگہ موجود ہی نہیں تھے۔ جہاں اس کو قتل کیا گیا ہے۔" انسپکٹر تیموری نے

جلدی سے کہا۔

"اوہ۔ تھینک یو۔ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں۔ آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کیوں جناب۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔" انسپکٹر تیموری ان کی طرف مڑا۔

"جی نہیں۔ آپ درست نہیں کہہ رہے۔ ہم مسٹر راڈل پر بھی شک کر سکتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"نن۔ نہیں۔ میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔" راڈل چلایا۔

"گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابھی تو ہم تفتیش کر رہے ہیں۔ اور تفتیش کے دوران سب پر شک کرنا ہمارا ایک اصول ہے۔ آپ یہ بتائیے۔ وہ یہاں کن لوگوں سے ملا جلا کرتا تھا؟"

"یہ ایک سرائے ہے۔ لوگ یہاں آتے رہتے ہیں، جاتے رہتے ہیں۔ میں کچھ زیادہ تو نہیں بتا سکتا۔ ہاں۔ وہ کمرہ نمبر ۲۶ کے مسافر سے ضرور ملا کرتا تھا۔ اور اتفاق کی بات یہ کہ کمرہ نمبر ۲۶ کا مسافر ابھی تک سرائے میں ٹھہرا ہوا ہے۔"

"بہت خوب۔ تو ہم ان سے ملنا ضرور پسند کریں گے۔"

"آئیے۔ میں خود آپ کو لے چلتا ہوں۔" راڈل جان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ انہیں کمرہ نمبر ۲۶ کے سامنے لایا، پھر دستک دی:

"کیا بات ہے۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ آرام کرنے دیں۔" اندر سے غرا کر کہا گیا۔

"مسٹر ہولان۔ کچھ لوگ آپ سے ملنے آئے ہیں۔" روڈل جان نے کہا۔

"اوہ اچھا۔ یہ آپ ہیں مسٹر روڈل جان۔"

"ہاں! ہوں تو میں ہی۔" روڈل جان نے منہ بنایا۔

"شکریہ جناب۔" اندر سے کہا گیا۔ اور پھر دروازہ کھل گیا۔

ایک عجیب سی شکل صورت کا آدمی ان کے سامنے کھڑا تھا اور بڑی حیرت زدہ انداز میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا، پھر اس کے لب ہلے:

"یہ کون لوگ ہیں مسٹر روڈل۔ اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"یہ مسٹر عزیز بھائی بیزار کے بارے میں آپ سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔"

"کیا مطلب۔ وہ ہیروں کا بیوپاری۔" اس نے چونک کر کہا۔

"ہاں! اس کا آپ کے ساتھ کس قسم کا تعلق ہے؟"

"بس ایک سلیک تھی۔ ہیرے دکھانے کے چکر میں آ جاتا تھا، لیکن میں نے اس سے کبھی کوئی ہیرا نہیں خریدا۔"

"کیا آپ ہیروں کے شوقین ہیں؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"کچھ اتنا زیادہ نہیں۔ لیکن اگر کوئی اطمینان کی چیز مل جائے تو خرید بھی لیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"آپ کرتے کیا ہیں مسٹر روان؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں تجارت کرتا ہوں۔ کپڑے کی۔"

"تو پھر۔ آپ سرائے میں کیوں مقیم ہیں؟"

"میں یہاں سے کپڑا خرید خرید کر اپنے شہر بھیجتا رہتا ہوں۔ وہاں میرے بھائی دکان چلاتے ہیں۔ اس شہر میں کپڑے کی بہت ملیں ہیں۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"کوئی اور بات جو آپ عزیز بھائی کے بارے میں بتا سکیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی نہیں۔ میں کوئی اور بات نہیں جانتا۔"

وہ اس سے رخصت ہو کر باہر نکل آئے۔ پھر مسٹر روڈل جان سے بھی اجازت مانگی، لیکن اس نے کہا:

"نہیں۔ آپ پہلی بار میری سرائے میں آئے ہیں۔ چائے پیے بغیر تو جانے نہیں دوں گا۔"

"افسوس! یہ ہمارا چائے کا وقت نہیں اور ہم بے وقت چائے پینے کے عادی نہیں ہیں۔"

"پانی والی ہی سہی۔"

انسپکٹر جمشید انکار میں سر ہلانے ہی والے تھے کہ انسپکٹر تیموری بول اٹھا:

"چلو خیر۔ پانی پی لیتے ہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے اسے تیز نظروں سے گھورا اور پھر انہیں روڈل جان کے کمرے میں جانا پڑا۔

"مسٹر روڈل جان۔ آپ کو بھی ہیروں کا شوق ہے۔" فرزانہ نے چہک کر کہا۔

روڈل جان نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا، پھر اس نے کہا:

"آپ نے یہ اندازہ کس طرح لگا لیا؟"

"پہلے یہ بتائیں۔ میرا اندازہ درست ہے یا نہیں؟"

"ہاں۔ درست ہے۔ لیکن آپ نے یہ بات جان کیسے لی؟"

"آپ کے اس کمرے کا جائزہ لے کر۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کک۔ کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"آپ کے اس کمرے میں بہت اچھے ہیرے موجود ہیں۔ اور بات ہے کہ آپ نے انہیں بہت خوب صورتی سے چھپایا ہوا ہے۔ اس طرح کہ کسی کو ذرا سا بھی شک نہیں گزر سکتا۔"

"اُف۔" روڈل کے منہ سے نکلا۔

صرف وہی نہیں۔ انسپکٹر جمشید اور سبھی ساتھی حیرت زدہ تھے۔

کیوں کہ کمرے میں کسی کو بھی ہیرے نظر نہیں آ رہے تھے۔

"کیا واقعی اس کمرے میں ہیرے موجود ہیں؟"

"ہاں بالکل۔ آپ چاہیں تو انھیں بہت آسانی سے اٹھا سکتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

اب تو انسپکٹر جمشید نے بھی چونک کر دیکھا۔ اور پھر اُن کا مُنہ مارے حیرت کے کھل گیا۔ انھیں حیرت اس بات پر ہوئی تھی کہ وہ بھی اس طرف توجہ نہیں دے سکے تھے۔

"بہت خوب فرزانہ۔ تمھارا مشاہدہ اب بہت تیز ہوتا جا رہا ہے۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

"اور ہمارا مشاہدہ شاید کہیں جا کر سو گیا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"نہیں! ایسی بات نہیں۔ لڑکیاں فطری طور پر زیورات وغیرہ کی شائق ہوتی ہیں۔ اس لیے اس نے سب سے پہلے ہیروں کی موجودگی کو بھانپ لیا۔"

"لیکن۔ ابا جان۔ ہیرے ہیں کہاں آخر؟" محمود نے بے تاب ہو کر کہا۔

"میز کے چاروں کناروں پر لگے ہوئے ہیں۔ بالکل اس طرح جیسے شیشے کے ٹکڑے میز میں جڑ دیے گئے ہوں۔ ہر دیکھنے والا یہی اندازہ لگائے گا کہ یہ شیشے کے ٹکڑے ہیں۔

کون کہ کون بے وقوف ہو گا۔ جو اس قدر قیمتی چیز کو یوں عام لگا دے گا۔ لیکن مسٹر روڈل جان نے نفسیاتی طریقہ اختیار کیا ہے۔ آج تک کسی نے بھی اندازہ نہیں لگایا ہو گا کہ یہ ہیرے ہیں۔" یہ میدان فرزانہ نے مارا۔

"ہاں! آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔" روڈل جان نے مسکرا کر کہا۔

"اُن! تو یہ ہیرے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"جی ہاں! اور بہت قیمتی۔" روڈل جان بولا۔

"تو کیا۔ یہ ہیرے بھی آپ نے عزیز بھائی بیزار سے خریدے تھے؟"

"ہاں!" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"آپ نے یہ بات ہم سے چھپائی کیوں؟"

"یہ سوچ کر کہ شاید عزیز بھائی سمگل شدہ ہیرے فروخت کرتا تھا اور اب آپ لوگوں نے اسے پکڑ لیا ہے۔ ایسی ہی کوئی بات ہے نا۔" اس نے کہا۔

"ہاں شاید۔ ویسے میرا ایک مشورہ ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی۔ کیسا مشورہ؟"

"آپ ان ہیروں کو کسی جوہری سے چیک کرا لیں۔ کہیں

"عزیز بھائی نے آپ کو نقلی ہیرے تو نہیں دے دیے۔" انھوں نے کہا۔

"یہ۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ وہ ہیروں کا سوداگر ہے۔ اور سوداگر ایسا کام نہیں کرتے۔"

"آپ چیک تو کرا لیں۔ کیا میں یہاں سے ایک فون کر سکتا ہوں۔"

"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔" اس نے کہا۔

انھوں نے سرور تارا انواری کو فون کیا اور بولے:

"ہیلو مسٹر انواری۔ آپ نے ان ہیروں کو چیک کرایا ہے یا نہیں؟"

"جی۔ جی ہاں۔ کرا چکا ہوں۔" اس کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"پھر۔ کیا رہا؟"

"وہ بالکل نقلی ثابت ہوئے ہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"اوہ۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔ اس کا مطلب ہے۔ عزیز بھائی بیزار خود تو نقلی عزیز بھائی تھا ہی۔ وہ ہیرے بھی نقلی فروخت کرتا تھا۔"

"کیا کیا۔ کہا آپ نے؟" روڈل جان ہکلایا۔

انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور پھر روڈل جان کی طرف

دیکھتے ہوئے بولے:

"آپ بھی ان ہیروں کو چیک کرا لیں۔ کہیں یہ بھی نقلی نہ ہوں۔"

"اُن مالک۔ یہ تو میں نے اس سے کئی لاکھ میں خریدے تھے۔"

"اور یہ ہوں گے کئی سو کے بھی نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

باہر نکلے تو ذہن بُری طرح اُلجھے ہوئے تھے۔

"اس کیس نے تو دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دیں۔" محمود نے جھرجھرا کر کہا۔

"صرف دماغ کی ہی نہیں۔ جسم کی بھی۔ جب سے شروع ہوا ہے۔ ایک پل آرام نہیں کیا ہم نے۔" فاروق بولا۔

"فکر نہ کرو۔ اب چل کر آرام کر لو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آرام کر لیں۔ لیکن ابھی ہم نے قاتل کو کب گرفتار کیا ہے۔"

"اس پر ابھی خوب غور کرنا ہو گا کہ قاتل کون ہے۔ ویسے میرے خیال میں وہ پنسل نما چیز بہت چبھ رہی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس کی یہ جرأت۔" فاروق نے غصے میں آ کر کہا۔

"لگ۔ کس کی بھائی؟" خان رحمان بے دھیانی کے عالم میں بولے۔

"جی۔ پنسل نما چیز کی اور کس کی۔ آخر وہ کون ہوتی ہے۔"

میرے ابا جان کے ذہن میں چبھنے والی۔"

"اوہ۔ اوہ۔ میں سمجھ گیا۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"جی۔ آپ کیا سمجھ گئے؟"

"یہ کہ۔ وہ پنسل نما چیز کیا تھی۔"

"تو پھر بتا دیجیے نا۔ کیا چیز تھی؟"

انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

خطرناک رات

اور اُن کے اس انداز میں مسکرا کر دیکھنے کا مطلب صاف تھا۔

"ہم سمجھ گئے۔ آپ یہ بات ابھی نہیں بتائیں گے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"بہت جلدی کی سمجھنے میں۔ کچھ دیر تو ٹھہر جائیں۔ شاید جان بتا ہی دیتے۔" فاروق نے اُسے گھورا۔

"ہم ان کی عادت اچھی طرح جانتے ہیں۔" فرزانہ نے اُسے گھورا۔

"اس میں لڑنے اور جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ ضرورت ہے صرف عمل کرنے کی۔" محمود بولا۔

"ہاں! یہی میں کہنے والا تھا۔"

آخر وہ نواب صادق علی خان کے ہاں پہنچ گئے۔

"کہیے کیا رہا؟" اُنھوں نے بے چین ہو کر کہا۔

"فی الحال تو آرام کی ٹھہری ہے۔ کیا آپ ہمیں یہاں ایک دن اور ٹھہرنے کی مہلت دیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں۔ یہ پورا گھر آپ کا اپنا ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"پورے گھر میں تو آپ کی گیلری بھی شامل ہے۔" انسپکٹر جمشید نے ہنس کر کہا۔

"تو کیا ہوا۔ گیلری آپ سے اچھی تو نہیں۔"

"یہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اچھی ہے یا نہیں۔" وہ بولے۔

نواب صاحب نے ان کے لیے ایک بڑا کمرہ درست کروا دیا، رات کے کھانے کے بعد وہ اس کمرے میں آ گئے۔

"آج کی رات خطرناک ہے۔" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے۔

"جی۔ کیا مطلب۔ خطرناک۔ خطرناک والی تو کوئی بات یہاں دور دور اب تک نظر نہیں آئی۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کمال ہے۔ ایک انسان کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اور تمہیں کوئی خطرناک بات نظر نہیں آ رہی۔" محمود بولا۔

"اچھا۔ ذرا بتاؤ تو کیا خطرناک بات نظر آ رہی ہے۔" فاروق نے کہا۔

"میں بتا دوں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"اگر تمہیں بھی ہیرو بننے کا شوق چرایا ہے تو تم ہی سہی۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ شوق محمود کو مبارک۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"خیر مبارک۔" وہ بولا۔

"فرزانہ تم کیا بتانے والی تھیں؟" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"یہ کہ۔ ہم پر حملہ ہو گا۔"

"بہت خوب۔ تمہاری ذہانت کی داد دینا پڑتی ہے۔"

"ہم۔ ہو گا۔ لیکن کیوں۔ کون کرے گا حملہ؟"

"قاتل۔ یا اس کا کوئی ساتھی۔ اسے اب تک خطرے کا احساس ہو چکا ہو گا۔ اس خطرے کا کہ ہم اس کا سراغ لگا لیں گے۔ لہٰذا اس سے پہلے وہ ہمیں ٹھکانے لگانے کی کوشش کرے گا۔ تاکہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

"لیکن ابا جان۔ ہم سانپ نہیں ہیں۔"

"اس کے لیے تو ہو سکتے ہیں۔" وہ بولے۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ اگر اس نے حملہ کرنے کی کوشش کی۔ تو منہ کی کھائے گا ان شاء اللہ۔" محمود بولا۔

"دشمن کو کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔" خان رحمان بولے۔

"بالکل ٹھیک۔ خان رحمان۔ تم ذرا کوٹھی کا جائزہ لے لو۔ یہ دیکھ لو کہ ہم پر حملہ کس سمت سے ہو سکتا ہے اور کس نوعیت کا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بہت بہتر۔" انھوں نے کہا اور اٹھ کر کمرے سے نکل گئے۔

وہ بھی اپنی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ پندرہ منٹ بعد

خان رحمان کی واپسی ہوئی:

"جمشید! اگر کوٹھی کے تمام دروازے اندر سے بند کر دیے جائیں تو حملہ نہیں ہو سکے گا۔ بشرطیکہ قاتل بم وغیرہ سے حملہ نہ کرے۔"

"خیر۔ اس حد تک تو وہ نہیں جائے گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا، پھر چونک کر بولے:

"لیکن بھئی۔ وہ حملہ ضرور کرے گا۔ کس طرح کرے گا۔ یہ سوچنا اب بھی تمہارا کام ہے۔"

"میں تو کر چکا ہوں۔ کہ اگر دروازے اندر سے بند ہوں گے تو وہ حملہ نہیں کر سکے گا۔"

"تم بھول رہے ہو خان رحمان۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا بھول رہا ہوں۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ کہ وہ اس گھر میں پہلے بھی بہت آسانی سے ایک عدد قتل کی واردات کر چکا ہے۔ اور سب کی موجودگی میں وہ پنسل نما چیز غائب کر چکا ہے۔"

"اوہ۔ تو کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ دروازے بند ہونے کے باوجود وہ کسی نہ کسی طرح اندر داخل ہو جائے گا۔"

"ہاں! میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔ ہمیں اپنی پوری تیاری کرنا ہو گی۔ تبھی ہم اس کے حملے کو ناکام بنا سکیں گے۔"

"شکریہ۔ اگر تمہارا اندازہ یہی ہے تو میں ان لائنوں پر ابھی سے کام شروع کر دیتا ہوں۔" خان رحمان نے کہا اور ایک بار پھر باہر نکل گئے۔

ادھر وہ اپنی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی ملک کی فوج کسی محاذ پر جانے کی تیاری کر رہی ہو۔

رات کے ٹھیک ایک بجے۔ جب کہ کوٹھی میں گہری نیند کا دور دورہ تھا۔ ہلکی سی ایک آواز گونجی۔ جیسے کوئی کودا ہو۔ پھر یہ دھم کی آواز بار بار سنائی دینے لگی۔ آخر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ پھر پندرہ کے قریب سائے ایک کمرے کی طرف بڑھے۔ ان کے ہاتھوں میں خنجر اور بے آواز پستول تھے:

"آواز پیدا نہ ہو۔" کسی نے بالکل آہستہ آواز میں کہا۔

"فکر نہ کریں سر۔" دوسری آواز ابھری۔

"خاموش۔ بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیا تم ہدایات بھول گئے؟"

"ن۔ نہیں۔ سر۔" ہکلا کر کہا گیا۔ اور پھر موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔

کمرے کے دروازے کو دھکیلا گیا۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا:

"واہ۔ دروازہ اندر سے بند نہیں ہے۔ میں نے تو سنا تھا۔ انسپکٹر جمشید بہت چالاک آدمی ہے۔ لیکن اس نے تو ذرا بھی چالاکی کا ثبوت نہیں دیا۔"

"اب۔ آپ خود بول رہے ہیں سر۔" ایک ساتھی نے کہا۔

"اوہ واقعی۔ اب مجھ سے بھول ہو گئی۔"

ایک بار پھر مکمل سناٹا طاری ہو گیا۔ پھر وہ لوگ کمرے میں داخل ہو گئے۔ یہاں بستر بچھے تھے اور ان پر لوگ سوئے نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے سر سے لے کر پیر تک کمبل تانے ہوئے تھے:

"ایک ہی بار سب پر وار کیا جائے گا۔ خبردار کسی کا ہاتھ نہ چوکے۔ ورنہ اسے بھیانک سزا ملے گی۔" باس کی آواز سنائی دی۔

اور پھر خنجروں والے ہاتھ ایک ساتھ اٹھے۔ نیچے گرتے نظر آئے۔ اور مسہریوں میں ڈوب گئے۔ لیکن جواب میں ایک بھی چیخ نہ گونجی۔ نہ بستروں میں ہل چل ہوئی۔ نہ کسی خنجر پر خون کی جھلک نظر آئی:

"یہ۔ یہ کیا۔" باس کے منہ سے بوکھلائی ہوئی آواز نکلی۔ پھر اس نے ایک بستر کا کمبل الٹ دیا۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ کمبل کے

نیچے دو گاؤ تکیے موجود تھے۔

اب انھوں نے تمام بستروں کے کمبل الٹ دیے۔ ہر ایک کے نیچے دو دو گاؤ تکیے تھے۔

"اب۔ اب کیا خیال ہے باس۔ انسپکٹر جمشید میں عقل نام کی کوئی چیز ہے یا نہیں۔" ایک ساتھی نے کہا۔

باس کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ اچانک اس نے کہا:

"یہاں سے نکل چلو۔ میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔"

"تو آپ کوٹھی میں انھیں تلاش نہیں کریں گے؟"

"نہیں۔ وہ ہماری تاک میں ہوں گے۔ خیریت اسی میں ہے کہ ہم یہاں سے نکل جائیں۔"

وہ حیرت اور خوف کے عالم میں کمرے کے دروازے کی طرف بڑھے۔ باس سب سے آگے تھا۔ اندر داخل ہوتے وقت اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ اب جو اس نے دروازہ کھولنے کے لیے ہینڈل گھمایا۔ تو بس وہ گھوم کر رہ گیا۔ دروازہ نہ کھلا:

"اوہو۔ یہ کیا؟" باس کے منہ سے خوف زدہ آواز میں نکلا۔

"کک۔ کیا ہوا سر؟"

"دروازہ کسی نے باہر سے بند کر دیا ہے۔"

"نن۔ نہیں۔" اس کے ساتھیوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں! گویا ہم چوہے دان میں پھنس گئے ہیں۔" باس بولا۔

"اب ۔ اب کیا ہوگا سر۔"

"فکر کی ضرورت نہیں ۔ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو ۔ میں تم لوگوں کو بالکل صاف نکال لے جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا ۔ یعنی اندر والی چٹخنی لگا دی :

"اب ہم پر بھی حملہ نہیں کیا جا سکتا ۔ جب تک کہ ہم دروازہ نہ کھولیں۔"

"لیکن باس ۔ اس سے کیا ہوگا ۔ آخر ہم کب تک اندر محفوظ رہیں گے۔"

"تم نہیں جانتے ۔ اب وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"وہ ۔ وہ کیسے؟" ایک ساتھی نے حیران ہو کر کہا۔

"ایسے۔" اس نے کہا اور پھر ایک عجیب حرکت کی ۔

اس کے ساتھی حیرت زدہ رہ گئے اور اس کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگے ۔ لیکن وہ ان کی طرف سے بے خبر ۔ اپنے کام میں لگا رہا ۔ اور پھر جب وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا تو ان کی آنکھوں میں حیرت پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ چکی تھی :

"یہ ۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں باس؟"

"یہ قصہ میرا ہے ۔ انسپکٹر جمشید کا نہیں ۔ یہاں جو کام میں دکھا سکتا ہوں ۔ اس کے فرشتے بھی نہیں دکھا سکتے ۔ کیا سمجھے۔" اس نے

فخریہ لہجے میں کہا۔

"بالکل سمجھ گئے سر ۔ آپ واقعی کمال کے آدمی ہیں ۔ ہمیں پہلی حیرت اس وقت ہوئی تھی ۔ جب آپ نے اس حملے کا پروگرام بنایا تھا ۔ ہم نے کہا بھی تھا کہ ۔ ہم کس طرح کامیاب ہو سکیں گے ۔ حویلی کے تمام دروازے تو بند ہوں گے ۔ لیکن آپ مسکرا دیے تھے ۔ اس وقت ہم آپ کی مسکراہٹ کا مطلب نہیں سمجھ سکے تھے ۔ لیکن جب آپ ہمیں لے کر کوٹھی میں داخل ہو گئے تو آپ کی مسکراہٹ کا مطلب ہماری سمجھ میں آیا ۔ یہی بات اب ہوئی۔" ایک ساتھی نے مسکرا کر کہا اور پھر باس کے اشارے پر سب حرکت میں آ گئے ۔ باس کچھ دیر ان کی طرف دیکھتا رہا ، پھر دروازے کی چٹخنی بغیر آواز پیدا کیے کھولنے کے بعد خود بھی ان میں شامل ہو گیا اور پھر ان کی آوازیں مدھم ہوتی چلی گئیں ۔

خاص بات

"دشمن ہمارے جال میں آگیا ہے۔ آپ کو مبارک ہو ابا جان، گویا رنگے ہاتھوں ہم نے قاتل کو بھی پکڑ لیا۔" محمود نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"لیکن میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے نفی میں سر ہلایا۔

"جی کیا مطلب؟"

"تمام دروازے اندر سے بند کرا دیے گئے تھے۔ ہم نے آخر وقت تک اس بات کا خیال رکھا کہ کوئی ملازم کوئی دروازہ یا کھڑکی۔ اندر سے کھول نہ دے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ لیکن اس کے باوجود دشمن کوٹھی میں داخل ہو گئے اور سیدھے اس کمرے کی طرف آئے جس میں کہ ہمیں ٹھہرایا گیا تھا۔ سب سے پہلا میرا سوال تو یہ ہے کہ آخر انھیں یہ بات کس نے بتا دی کہ ہم اس کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

اور دوسری بات یہ کہ وہ اندر کس طرح داخل ہو گئے۔ ان حالات میں تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ دشمن ہمارے جال میں آگیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم اپنی ذہانت کی بدولت ان کے وار سے بچ گئے۔ لیکن وہ ہمارے قابو میں آگئے ہیں۔ اس بات پر مجھے شک ہے۔"

"آپ۔ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ ہم نے انھیں اپنی آنکھوں سے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ اور جب انھوں نے دروازہ اندر سے بند کیا تو ہم نے اس کو باہر سے بند کر دیا۔ اس کمرے سے نکلنے کا کوئی اور راستا بھی نہیں۔ اس کے بعد یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہمارے قابو میں نہیں آئے، ہو سکتا ہے۔ وہ بہت خطرناک ہوں۔ تو ہم پہلے پولیس کو بلا لیتے ہیں۔ اس کے بعد کمرہ کھولیں گے۔" فاروق جلدی جلدی کہہ گیا۔

"نہیں۔ تم غلط سمجھے ہو۔ میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا، میں صرف اور صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر وہ بند دروازوں کے باوجود اندر داخل ہو سکتے ہیں تو پھر اس کمرے میں سے بھی نکل سکتے ہیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"لیکن جمشید۔ دل نہیں مان رہا کہ۔ ایسا ہو سکتا ہے۔"

"خیر۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید آگے بڑھے۔ انھوں نے آواز پر کیے بغیر چٹخنی سرکائی اور ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔ اب انھوں نے چٹخنی پھر لگا دی اور بلند آواز میں بولے:

"تم لوگ اب فرار نہیں ہو سکتے۔ ہم جانتے ہیں۔ تم مسلح ہو۔ لیکن اس کے باوجود تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ بہتر یہ ہے کہ اسلحہ گرا دو اور ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ جوں ہی دروازہ کھلے ہاتھ اوپر اٹھائے کمرے سے نکل آؤ۔ ہم صرف ایک منٹ بعد دروازہ کھولیں گے۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گئے، پھر ایک منٹ گزرنے پر انھوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا:

"کیا سب تیار ہیں؟"

"جی ہاں، آپ فکر نہ کریں۔" انھوں نے کہا اور پھر انسپکٹر جمشید نے دروازہ کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی خود پیچھے ہٹتے چلے گئے اور فوراً اپنے مورچے میں پہنچ گئے۔ لیکن کمرے سے کوئی بھی نہ نکلا:

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔" وہ بولے۔

"لل۔ لیکن۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ کوٹھی تو پھر بھول بھلیاں ہو گئی۔ کہ قاتل جب چاہے اس میں داخل ہو سکتے ہیں اور جب چاہیں نکل سکتے ہیں۔" فاروقی نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ بات تو ہمیں معلوم کرنا پڑے گی۔ کہ ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے۔ آؤ پہلے اس کمرے کا جائزہ لے لیں۔"

"ایک منٹ جمشید۔ کیا خبر۔ وہ اندر دبکے ہوئے ہوں۔"

"نہیں۔ وہ جا چکے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

پھر وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرہ واقعی خالی پڑا تھا۔ اور دشمن کسی راستے سے فرار ہوا تھا۔ اس کے کوئی آثار بھی وہاں نظر نہیں آ رہے تھے۔

"حیرت انگیز۔ انتہائی حیرت انگیز۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

انسپکٹر جمشید نے کوئی جواب نہ دیا۔ کمرے سے نکل سیدھے نواب صاحب کے کمرے کے دروازے پر پہنچے اور دروازے پر دستک دی۔ تیسری دستک پر دروازہ کھلا۔ اور نواب صاحب نے نیند میں ڈوبی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ کر کہا:

"خیر تو ہے۔ آپ اور اس وقت یہاں موجود ہیں۔"

"ایک بہت خاص بات ہو گئی۔"

"کیا میں کمرے سے باہر نکلوں؟" انھوں نے پوچھا۔

"ہاں! نکلنا ہی پڑے گا۔" انھوں نے کہا۔

وہ نواب صاحب کو لیے اس کمرے میں آئے۔ پھر انھیں بتایا کہ سونے سے پہلے انھوں نے کیا رائے قائم کی تھی۔ اور پھر دروازے انھوں نے اپنی نگرانی میں بند کرائے تھے۔ لیکن

اس کے باوجود پندرہ آدمی اندر داخل ہو گئے۔

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اور وہ پندرہ آدمی ہیں کہاں؟" نواب صاحب دھک سے رہ گئے۔

"ابھی تو آپ اور حیران ہوں گے۔ آگے سنیے۔ جوں ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے اور انھوں نے دروازہ اندر سے بند کیا۔ ادھر ہم نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر ہم نے اعلان کیا کہ تم لوگ پھنس گئے ہو۔ ہتھیار پھینک دو اور ہاتھ اٹھا کر باہر نکل آؤ۔ ہم چٹخنی گرا رہے ہیں، پنجاں پہ ہم نے چٹخنی گرا دی۔ لیکن نواب صاحب کیا آپ یقین کریں گے کہ" انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

"کہ۔ کیا۔ آگے کہیے نا۔" نواب صاحب نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"یہ کہ۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔"

"کیا مطلب؟" نواب صاحب بری طرح اچھلے۔ اور انسپکٹر جمشید نے ان کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ یہ اندازہ کرنے کے لیے کہ ان کی حیرت مصنوعی تو نہیں۔

"یہ آپ کی کوٹھی ہے۔ آپ ہی مطلب بتائیں گے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"آپ۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" نواب صاحب بولے۔

"آخر یہ کس طرح ممکن ہے۔ کہ بند کوٹھی میں کوئی پہلے تو نہایت آسانی سے داخل ہو جائے اور پھر فرار بھی ہو جائے۔ اور دروازہ اب بھی کوئی کھلا ہوا نہیں ہے۔"

"اُف میرے مالک۔ یہ۔ یہ کیا چکر ہے؟"

"آپ نے یہ کوٹھی کب بنوائی تھی نواب صاحب؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"صرف دو سال پہلے۔ زمین خرید کر بنوائی تھی۔ پہلے میں نیچے کے دوسری طرف رہتا تھا۔"

"کوٹھی تعمیر کرنے والے کیا سب کاری گر لوگ تھے؟"

"ہاں! ایک بہت مشہور کمپنی نے تیار کی تھی۔"

"تب ہمیں اس کمپنی کے کاری گروں سے ملاقات کرنا ہوگی۔"

"صبح ہی کرا دی جائے گی۔ یہ کیا مشکل کام ہے۔" انھوں نے کہا۔

"ہمارے مقابلے میں آپ کچھ کم حیرت زدہ نظر آ رہے ہیں۔" محمود نے کچھ سوچ کر کہا۔

"نہیں تو۔ میں بھی بہت زدہ ہوں۔ آپ کا اندازہ درست نہیں۔"

"اب یہ بات بھی ہماری سمجھ میں آ رہی ہے کہ قاتل قتل سے پہلے کس طرح عمارت میں آ گیا اور کس طرح چلا گیا۔

اور پنسل نما چیز بھی اس نے کیوں آسانی سے غائب کر دی
دراصل آپ کی کوٹھی میں کچھ خفیہ راستے بنائے گئے ہیں
اور یہ کام ان بنانے والوں کا ہو سکتا ہے۔ ان کے علاوہ
اور کس کا ہو سکتا ہے۔"

"ہوں۔ آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ میں صبح سویرے ہی
کر دوں گا۔ اور ہم وہاں جا کر ان سے ملاقات کر سکیں گے
"نہیں جناب۔ آپ فون نہ کیجیے گا۔ اس طرح تو
ہوشیار ہو جائیں گے۔"

"ہوں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ اچھی بات ہے۔ میں فون نہیں
کروں گا۔" نواب صاحب نے کہا۔

وہ اپنے کمرے کی طرف مڑ گئے۔ انھوں نے اپنے کمرے
کی راہ لی، لیکن پھر دروازے پر ہی رک گئے:

"نہیں۔ ہم اس کوٹھی میں رات نہیں گزار سکتے۔ یہ ہمارے
لیے بالکل غیر محفوظ ہے۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں خان رحمان۔ لیکن اب ہم رات کو جائیں گے بھی کہاں
لہٰذا بہتر حل یہ ہے کہ ہم بقیہ رات بھی جاگ کر گزار دیں۔" انسپکٹر
جمشید بولے۔

یہ تجویز سب نے منظور کی۔ وہ ایک اور کمرے میں آ بیٹھے
"جب سے یہ چکر شروع ہوا ہے۔ اس وقت سے جھٹکے

جھٹکے لگتے چلے جا رہے ہیں۔ ایک جھٹکے کا اثر ختم نہیں ہو
کر دوسرا جھٹکا آ دھمکتا ہے۔ یہ کیس ہے یا جھٹکے نامہ۔"
وق نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"ابھی آخری جھٹکے کے لیے تیار رہو۔"

"آپ کا مطلب ہے۔ وہ سب سے زیادہ شدید ہو گا۔" محمود بولا۔

"اندازہ یہی ہے۔ جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

دوسری صبح وہ ناشتے کی میز پر موجود تھے۔ نواب صاحب کا
کافی اترا ہوا تھا۔ شاید وہ بھی بقیہ رات سو نہیں سکے تھے،

"ناشتا شروع کرنے سے پہلے آپ مہربانی فرما کر اس کمپنی
فون کر دیں۔ جس نے یہ کوٹھی تعمیر کی تھی۔ ان سب کاریگروں
یہاں بلا لیں۔ یا کم از کم ان کا انچارج ضرور یہاں آ جائے۔"

"اچھا!" وہ بولے۔ اور پھر فون کرنے لگے۔ دو منٹ بعد
رکھ کر انھوں نے کہا:

"افسوس۔ اب اس کمپنی کا نام و نشان تک موجود نہیں۔
عمارت جس میں ان کا دفتر تھا۔ اب کسی اور نے خرید لی
۔ وہی فون پر بات کر رہا تھا۔"

"اس عمارت کا نام اور پتا بتا سکتے ہیں آپ۔" انسپکٹر جمشید
مایوسانہ انداز میں کہا۔

"ہاں کیوں نہیں۔"

"محمود۔ نام پتا نوٹ کر لو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ باہر نکل آئے۔

"اس کیس کی بھی کوئی کل سیدھی نظر نہیں آتی۔ اونٹ کو بھی پیچھے چھوڑ گیا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"لیکن بھئی۔ اس کا مقابلہ اونٹ سے نہیں۔ ہم سے ہے لہٰذا تم یوں کہہ سکتے ہو کہ اس کیس کی بھی کوئی کل سیدھی نہیں آتی۔ ہمیں بھی مات دے گیا ہے۔" محمود مسکرایا۔

"کیوں۔ کیا ہماری بھی کوئی کل سیدھی نظر نہیں آتی۔" فاروق نے گھبرا کر کہا اور وہ مسکرا دیے۔

آخر وہ سرخ رنگ کی ایک عمارت کے سامنے رکے۔ اس پر فاخر لاج لکھا ہوا تھا۔ محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی۔ ایک ادھیڑ عمر آدمی نے دروازہ کھولا۔ اور سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھا:

"فاخر صاحب آپ ہی ہیں؟"

"جی ہاں۔ بالکل۔"

"آپ نے یہ عمارت کب خریدی؟"

"ایک سال پہلے۔" اس نے کہا۔

"ایک سال پہلے اس عمارت میں کون لوگ رہتے تھے؟"

"وہ مستری لوگ تھے۔ عمارات بنانے کے ٹھیکے لیا کرتے تھے۔"

"آپ ان کا کوئی اتا پتا بتا سکتے ہیں؟"

"جی۔ جی نہیں۔" اس نے انکار میں سر ہلایا۔

"ہوں! یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"کیا مطلب۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" فاخر نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ اب آپ کو کیا بتائیں۔ آؤ بھئی چلیں۔" انھوں نے اٹھتے ہوئے کہا، پھر کچھ سوچ کر بولے:

"کیا آپ ہمیں یہ عمارت اندر سے دیکھنے کی اجازت دیں گے؟"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ شوق سے دیکھ لیں۔"

"تو پھر پردہ کرا لیں۔"

"میرے گھر کے سبھی افراد کچھ دنوں کے لیے ایک تفریحی مقام پر گئے ہوئے ہیں۔ آپ بلا کھٹکے گھر میں پھریں۔ میں آپ لوگوں کے لیے چائے بنواتا ہوں۔"

"جی نہیں۔ آپ تکلف نہ کریں۔ ہم ابھی ناشتا کر کے آ رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"اچھی بات ہے۔" اس نے کندھے اچکا دیے۔

اب انھوں نے اس عمارت کا جائزہ لینا شروع کیا۔ یہ ایک بہت بڑی عمارت تھی۔ حویلی نما تھی۔ فاخر نے انھیں کمرے کھول کھول کر دکھائے۔ آخر میں انھوں نے چھت کا جائزہ لیا، ایسے میں فاخر نے کہا:

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ اس عمارت کو اتنے غور سے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

"ایک خاص بات ہے۔ جانے سے پہلے آپ کو بتا کر جائیں گے۔ تاکہ آپ الجھن میں مبتلا نہ رہیں۔"

"شکریہ۔ یہی میں چاہتا ہوں۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

پوری عمارت کو دیکھنے کے بعد وہ واپس لوٹے۔ پھر مختصر طور پر عمارت کے مالک کو وجہ بتائی، اس کی حیرت کا کیا ٹھکانا۔ بلکہ اس کے چہرے پر خوف دوڑ گیا۔

"تب تو ہو سکتا ہے۔ اس عمارت میں بھی کچھ خفیہ راستے موجود ہوں اور وہ جرائم پیشہ لوگ جب چاہیں اندر داخل ہونے کے قابل ہوں۔"

"اس کا بہت امکان ہے۔ اسی لیے تو ہم بغور جائزہ لے رہے تھے، لیکن ہمیں کوئی راستا نظر نہیں آ سکا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تت۔ تب پھر۔ میں کیا کروں؟"

"آپ کسی ماہر تعمیرات سے ملاقات کریں۔ انھیں یہ عمارت دکھائیں، شاید وہ کوئی اندازہ لگا سکے۔"

"جی بہتر! میں ایسا ہی کروں گا۔"

باہر نکل کر انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"تفتیش کے تمام راستے بند ہیں۔ مجرم اسی قصبے میں موجود ہیں،

لیکن ہم ان تک نہیں پہنچ سکتے۔ بہت چالاک ثابت ہوئے۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"ایسی مایوسانہ باتیں نہیں کرتے۔ انسان اپنی عقل سے بہت بڑے بڑے کام لے سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو کیا۔ آپ کے ذہن میں کوئی راستا ہے؟"

"ہم کہیں بیٹھ کر اس کیس کا بغور جائزہ لے لیتے ہیں۔ واقعات اور حالات کو اپنے ذہنوں میں دہراتے ہیں۔ شاید کوئی خاص بات سامنے آ جائے۔ جس پر ہم ابھی تک توجہ نہیں دے سکے۔"

"جی بہتر۔"

وہ ایک پُرسکون ہوٹل کے کیبن میں آ کر بیٹھ گئے۔ بیرے کو کچھ چیزوں کا آرڈر بھی دینا پڑا۔ اگرچہ کسی چیز کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی تھی، لیکن بیٹھنے کے لیے بھی تو کسی بہانے کی ضرورت تھی۔

"ہاں بھئی۔ یہ کہانی پُراسرار آدمی کی آمد سے شروع ہوئی تھی۔ جس پر فرزانہ کی نظر پڑ گئی تھی۔ وہ اسے پُراسرار دکھائی دیا تھا۔ اور پھر اچانک وہ غائب ہو گیا تھا۔ غائب وہ اس طرح کہ اس کے کمال جو پکے ہوئے تھے۔ اس نے کسی ذریعے سے انھیں پھلا لیا تھا۔ اور صرف اس ایک عمل سے اس کے چہرے میں حیرت انگیز تبدیلی واقع ہو گئی تھی۔ تم لوگوں نے اسے

وہاں تلاش کیا، لیکن کہیں نظر نہ آیا۔ پھر جب لوگ گیلری دیکھ
رہے تھے۔ اس وقت اسے کسی نے قتل کر دیا۔ اور اسی بات
سے ہم نے یہ اندازہ لگایا کہ اندر داخل ہوتے ہی اس نے
اپنے کسی دشمن کو دیکھ لیا تھا۔ اس سے بچنے کے لیے اس نے
میک اپ کا سہارا لیا، لیکن دشمن نے اسے میک اپ میں
بھی پہچان لیا اور یہ اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ نکلا، لیکن
قاتل اس کے تعاقب میں تھا۔ لہٰذا اس کے ہاتھوں
گیا۔ اس شخص کی ملاقات نواب صاحب سے ہوٹل گلنار
میں ہوئی تھی۔ ہوٹل گلنار کے مالک نے تعارف کرایا تھا۔
اور یہ بتایا تھا کہ یہ شخص ہیروں کا بیوپاری ہے۔ اور
کہ اس سے چند ہیرے خریدے تھے؛ چناں چہ نواب صاحب
نے بھی اسے وقت دے دیا۔ تاکہ وہ ہیرے لے کر ان کے
پاس آ جائے۔ انھوں نے دعوت والے دن کا وقت دیا۔
اور پروگرام یہ تھا کہ دعوت سے فارغ ہونے کے بعد ہیرے
دیکھے جائیں گے۔ لیکن قتل ہونے پر اس کے پاس سے
برآمد نہیں ہوئے۔ ہاں وہ پنسل نما چیز ضرور ملی تھی۔ وہ
شاید اس لیے کہ لڑھک کر مسہری کے پائے کی اوٹ میں
گئی تھی۔ اور وہ تم لوگوں کو نظر آئی۔ لیکن نکل وہ تم لوگوں
کے ہاتھ سے بھی گئی۔ قاتل بہت ہوشیار تھا۔ اس نے

سے وہ چیز اٹھائی اور ادھر ادھر ہو گیا۔ اس دوران میں آ گیا۔
مجھے جب مقتول کا نام بتایا گیا تو میں چونک اٹھا، کیوں کہ
عزیز بھائی بیزار کے پیچھے تو کئی ملکوں کی پولیس لگی ہوئی تھی۔
اور یہ بات مجھے اس وقت معلوم ہوئی کہ وہ اس قصبے میں تھا
اور یہ کہ کسی کے ہاتھوں مارا گیا۔ لیکن جب میں نے اس
کی لاش کو دیکھا تو فوراً کہہ اٹھا کہ یہ تو عزیز بھائی بیزار کی لاش
نہیں ہے۔ اور بات تھی بھی یہی۔ اس کے چہرے پر عزیز بھائی
کا میک اپ کیا گیا تھا۔ اب ہم نے ہوٹل گلنار کے مالک
سے ملاقات کی۔ لیکن وہ بھی کچھ نہ بتا سکا۔ اب ہم نے سوچا
کہ اس کے وارثوں کو بلایا جائے؛ چناں چہ وارث نے آ کر
دیکھا۔ اور اسے بطور اختر عباس کے پہچان لیا۔ اس نے بتایا
کہ وہ گھر سے ناراض ہو کر دو سال پہلے کہیں غائب ہو گیا
تھا۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ وہ ضرور غلط ہاتھوں میں پڑ گیا
ہو گا۔ اس سلسلے میں ہمیں بڑی سرائے تک جانا پڑا۔ بڑی
سرائے کے مالک روڈل جان نے اس کو پہچان لیا۔ اور بتایا
کہ وہ اس کی سرائے میں رہتا رہا ہے۔ یہاں سے بھی کوئی
کام کا سراغ نہ مل سکا۔ لیکن ہماری تفتیش رک بھی نہیں رہی
تھی۔ ہم کچھ نہ کچھ معلوم کر ہی رہے تھے۔ اور شاید اس بات
نے قاتل کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا کہ کہیں ہم اس کا سراغ

نہ لگا لیں؛ چنانچہ اس نے ہم پر حملے کا پروگرام بنایا۔ اور جس
انداز میں اس نے حملہ کیا۔ اس سے ایک اور عجیب بات سامنے
آئی۔ یہ کہ اس عمارت میں کچھ خفیہ راستے ہیں۔ عمارت فاخر
لاج میں رہنے والے مستریوں نے بنائی تھی، لیکن ایک سال
پہلے وہ اس عمارت کو بیچ کر ادھر اُدھر ہو گئے تھے۔ یہ ہیں
کل حالات۔ ان حالات کو چھان پھٹک کر ہمیں یہ دیکھنا ہے۔
کہ آخر مجرم کون ہے۔ اور کہاں ہے۔ اس نے اب تک خود
کو کس طرح چھپا رکھا ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ بہت کامیابی
سے چھپا رکھا ہے۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔
وہ سب سوچ میں ڈوب گئے۔ کافی دیر اسی حالت میں گزر گئی۔
اچانک فرزانہ زور سے اچھلی۔

دوسرا مجرم

"سوجھ گئی کوئی بات فرزانہ کو تو۔" فاروق نے منہ بنایا۔
"تو پھر کسی نے پابندی تو نہیں لگائی۔" فرزانہ نے جل بھن
کر کہا۔
"اس سے پہلے کہ تم آپس کی بحث میں اُلجھو۔ ہمیں یہ بتا
دو کہ سوجھی کیا بات ہے؟" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔
"اس کیس میں سب سے اہم نقطہ صرف ایک ہے۔ اور ہم
نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی۔" فرزانہ نے پُرجوش انداز میں کہا۔
"چلو۔ اب توجہ دے لیتے ہیں۔ تم نقطے کی نشان دہی کر
دو۔" محمود نے اسے گھورا۔
"نقلی عزیز بھائی بیزار عرف اختر عباس عزیز بھائی کے میک
اپ میں تھا۔ اس میک اپ میں اسے خود کو کسی کی نظروں سے
بچانے کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔ بس یہ سوچ لیں۔"
"یہ کس طرح سوچ لیں۔ ہمیں کیا معلوم۔ اسے کس کی نظروں

سے بچنے کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔" فاروق نے تلملا کر کہا۔

"لیکن میرے خیال میں تو یہ بالکل سامنے کی بات ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"فرزانہ۔ کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ دعوت میں اصلی عزیز بھائی بیزار موجود تھا۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"جی ہاں۔" اس نے کہا۔

"اوہ۔ اوہ۔" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"ہم نے واقعی اس پہلو کی طرف اب تک توجہ نہیں دی تھی، ہم نے اب تک یہ اندازہ لگایا تھا کہ اختر عباس غلط ہاتھوں میں پڑ گیا تھا۔ ان غلط ہاتھوں والے شخص نے اسے عزیز بھائی بنا دیا۔ اور ساتھ میں یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر کبھی اصلی عزیز بھائی سے سامنا ہو جائے تو فوراً کھسک لینا وہاں سے! چناں چہ اس کا اس دعوت میں سامنا ہو گیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن۔ سوال تو یہ ہے کہ غلط ہاتھوں والے نے اسے عزیز بھائی کیوں بنایا؟"

"اس لیے کہ عزیز بھائی نے ہیروں کے کاروبار میں بہت شہرت حاصل کر لی ہے۔ کئی ملکوں کی پولیس اس کے تعاقب میں ہے۔ وہ ہیرے سمگل کرتا ہے اور بڑے بڑے لوگوں کے ہاتھوں فروخت کرتا ہے۔ اس چالاک آدمی نے نقلی ہیروں کو

اصلی بنا کر فروخت کرنے کی یہ ترکیب کی کہ اختر عباس کو عزیز بھائی بنا دیا۔ اور اس کے ذریعے ہیرے بیچنا اور لاکھوں روپے کمانا شروع کر دیا۔"

"چلیے۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ دعوت میں کوئی دوسرا یعنی اصلی عزیز بھائی، ہم نے نہیں دیکھا۔ اس نے کیسے دیکھ لیا؟"

"ہاں! یہ بھی الجھن میں مبتلا کر دینے والا سوال ہے۔ ایک جواب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہو سکتا ہے۔ اصلی عزیز بھائی میک اپ میں رہا ہو۔ اور اختر عباس کو یہ بات معلوم ہو یا اس غلط آدمی نے بتا رکھی ہو کہ وہ فلاں میک اپ میں رہتا ہے۔ یا اس قسم کا لباس پہنے رہتا ہے، کیوں کہ جس نے اختر عباس کو عزیز بھائی بنایا۔ وہ عزیز بھائی کے بارے میں بھی کچھ جانتا ہو گا۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قاتل عزیز بھائی بیزار ہے۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"لیکن۔ وہ کون ہے۔ اور کس روپ میں ہے۔ یہ ہمیں نہیں معلوم۔" انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

"دھت تیرے کی۔ اس کیس کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آ سکے گا شاید۔"

"میں ایسی باتیں سوچنے کا عادی نہیں ہوں۔ ہم مجرم کو گرفتار کریں گے۔ تم دیکھ لینا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن ابا جان۔ اس کیس کا ایک دوسرا مجرم بھی ہے۔" فاروق نے چونک کر کہا۔

"دوسرا مجرم۔ کیا مطلب؟"

"وہ شخص۔ جس کے ہاتھوں میں اختر جاسی پڑ گیا تھا۔ بے چارے اختر جاسی کو مجرم بنانے اور پھر موت سے دو چار کرا دینے میں آخر اس کا بھی تو حصہ ہے۔" فاروق نے پُر زور لہجے میں کہا۔

"ہاں! ہم اسے بھی گرفتار کریں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن کیسے۔ ہمیں اب تک معلوم نہیں کہ وہ کون ہے؟"

"ہم ایسے دو آدمیوں کا نام جانتے ہیں۔ جن کے ہاتھ اختر جاسی نے ہیرے فروخت کیے تھے۔ ہوٹل گلنار کے مالک انواری اور مسٹر روڈل جان۔ ان دونوں نے ہیرے خریدے تھے اور دونوں کے ہیرے نقلی ثابت ہوئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر۔ اس سے کیا ہوتا ہے؟"

"ان دونوں کے علاوہ کس کس نے ہیرے خریدے، ہم نہیں جانتے لیکن نہ جانے ایسے کتنے آدمی ہوں گے۔ گویا یہ لاکھوں کا ہیر پھیر ہوا۔ جس نے بھی یہ منصوبہ بنایا۔ وہ عزیز بھائی کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی شکل صورت

سے بھی واقف تھا۔ تبھی تو اس نے اختر جاسی پر اس کا میک اپ کر دیا تھا۔ اور اس آدمی کا کچھ نہ کچھ تعلق نواب صاحب کی کوٹھی بنانے والوں سے بھی تھا۔ اسی کے اشارے پر اس نے یہ کام بھی کیا تھا۔ اور میرے نزدیک ایسا آدمی صرف اور صرف ایک ہو سکتا ہے۔ کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔"

"اور۔ وہ کون ہے؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"یوں نہیں۔ کچھ تم بھی عقل پر زور دو۔ دیکھو نا۔ اس نے دونوں عمارتوں میں خفیہ راستے بنوانے کے لیے کتنی کوشش اور محنت کی ہو گی اور نہ جانے کتنی دولت بھی خرچ کی ہو گی۔ کاری گروں نے اس کا یہ کام بلا معاوضہ تو کر نہیں دیا ہو گا۔ لہٰذا۔ وہ دوسری عمارت جس میں مستری خود رہتے تھے۔ آخر کیوں فروخت کر دی گئی۔"

"جی۔ کیا مطلب؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ مارے حیرت کے آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

★

چند لمحے تک موت کا سناٹا طاری رہا۔ آخر محمود نے سرسراتی آواز میں کہا:

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ابا جان؟"

"بس اب میں کیا کہوں گا۔ کہنے کی باری تو اب تمہاری ہے۔"

وہ مسکرائے۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اب میں ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا۔ آؤ مجرم کو گرفتار کرنے چلیں۔ میں کافی دیر پہلے اسے پہچان چکا ہوں۔ بس تم لوگوں کا امتحان لے رہا تھا۔"

"کک۔ کیا ہم دونوں کا بھی؟" خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔

"ارے نہیں۔ آپ تو مجھ سے بڑے ہیں۔" انھوں نے بوکھلا کر کہا۔

وہ اسی وقت وہاں سے روانہ ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک عمارت کے سامنے رُکے۔ پھر کچھ خیال آنے پر انسپکٹر جمشید بولے:

"نہیں بھئی۔ یوں مزا نہیں آئے گا۔"

"تو پھر؟" وہ بولے۔

"ٹھہرو۔ پہلے میں چند فون کر آؤں۔ تم ابھی ایک طرف کھڑے رہو۔" یہ کہہ کر وہ سڑک کی طرف مڑ گئے۔

پندرہ منٹ بعد ان کی واپسی ہوئی:

"آپ نے تو کافی دیر لگا دی۔"

"ہاں! میں نے سوچا۔ متعلقہ سبھی لوگوں کو جمع کر لیا جائے۔" ں نے کہا۔

"گویا ابھی ہمیں یہاں اور انتظار کرنا پڑے گا۔"

"ہاں! وہ تو کرنا ہی ہوگا۔"

انھیں آدھ گھنٹے تک انتظار کرنا پڑا۔ آخر لوگوں کی آمد ع ہوئی۔ وہ ہر آنے والے کو اپنے قریب روکتے رہے۔ ب لوگ حیرت زدہ نظر آ رہے تھے:

"آخر یہ سب کیا ہے؟" ان میں سے ایک سے رہا نہ گیا۔

"نقلی عزیز بھائی بیزار کا قاتل مل گیا ہے۔"

"ارے۔ کیا!!!" وہ چلا اُٹھے۔

"جی ہاں! بس! میں نے سوچا۔ سب لوگوں کی موجودگی میں ے کیوں نہ پکڑا جائے۔"

"ہُوں!" وہ بولے۔

سب کے آنے کے بعد انسپکٹر جمشید انھیں لے کر آگے بڑھے پھر محمود نے دستک دی۔ ایک منٹ بعد دروازہ کھلا اور ادھیڑ عمر آدمی دکھائی دیا۔ اس کی نظر سب سے پہلے ر جمشید پر پڑی اور پھر سب لوگوں پر۔

"آپ۔ پھر آ گئے۔ اور یہ۔ اتنے بہت سے لوگ کیوں ر لے آئے؟"

"ہم سب کو ایک معاملے میں دل چسپی ہے۔ اس معاملے
تعلق۔ آپ کی ذات سے بھی ہے۔" انھوں نے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"مطلب ہم بیٹھ کر بتائیں گے۔ کھڑے رہ کر نہیں بتایا
سکتا۔"

"میں اتنے بہت سے لوگوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا
ہوں۔ کہیں آپ مجھے کسی معاملے میں پھانسنا تو نہیں چاہتے"
اس نے گھبرا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ ایسی ہی کوئی بات ہو۔"

"تب پھر مجھے اپنے وکیل کو فون کرنے کی اجازت ہو
چاہیے۔" اس نے کہا۔

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ یہ آپ کا حق ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے

"تو پھر۔ اندر آ جائیے۔" اس نے راستا دیتے ہوئے کہا۔

"آپ ہمارے آگے آگے چلیے۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

وہ اس کے ساتھ اندر آئے۔ سب لوگ بیٹھ گئے۔ اس
نے فون کرنا شروع کیا۔ آخر دو منٹ کی کوشش کے بعد سلسلہ
مل گیا۔ اس نے فون میں یہ الفاظ کہے:

"میں خطرے میں ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا

پھر ان کی طرف مڑا:

"یہ آپ نے اپنے وکیل کو فون کیا ہے؟" فاروق نے حیران
ہو کر پوچھا۔

"ہاں! لیکن ایک وکیل کو نہیں۔ کئی وکیلوں کو۔" اس نے
مسکرا کر کہا۔

"گویا آپ کا گزارہ ایک وکیل سے نہیں ہو سکتا۔" محمود بولا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔ اس سے پہلے کہ میرے وکیل آئیں،
آپ لوگ اپنی بات مکمل کر لیں۔"

"بہت بہتر۔ بات مکمل کرنا کیا مشکل ہے۔ ہاں سننے والے
کے لیے ضرور مشکل ہو گی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ سنائیں۔"

"عزیز بھائی بیزار۔ یہ نام کئی ملکوں کے لیے الجھن کا باعث
ہوا ہے۔ یہ ہیروں کا سمگلر ہے۔ پولیس کے ہاتھ آج
تک نہیں آیا، لیکن اس کی تصاویر کئی ملکوں کی پولیس کے پاس
موجود ہیں۔ ایک بات یقینی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس شخص کا ہیڈ
کوارٹر ہمارا ملک ہے۔ یہ ہے بھی ہمارے ملک کا ہی، لیکن
یہ بات کسی کو معلوم نہیں کہ اس نے اپنے رہنے کے لیے
کون سے شہر کو چن رکھا ہے۔ یہ بات ہمیں آج معلوم ہوئی
وہ دراصل قصبہ بھولن شاہ میں رہائش پذیر ہے۔" یہاں

تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"ابھی تک میری سمجھ میں ایک بات بھی نہیں آئی۔ پتا نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"رفتہ رفتہ میری بات آپ کی سمجھ میں پوری طرح آ جائے گی، فکر نہ کریں۔"

"اچھا خیر۔ میں سن رہا ہوں۔" اس نے کہا۔

"ہوٹل گل نار کے مالک سے ایک شخص نے ہوٹل میں ملاقات کی، اس نے انھیں اپنا نام عزیز بھائی بیزار بتایا۔ اور یہ بھی بتایا کہ وہ ہیروں کا سوداگر ہے۔ انھوں نے اس سے کچھ ہیرے بھی خریدے۔ پھر انھوں نے ان کا تعارف نواب صاحب سے بھی کرایا۔ نواب صاحب نے اسے ہیرے دکھانے کے لیے اپنی کوٹھی میں بلایا۔ وہ کوٹھی میں گیا اور کسی کو وہاں دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے فوراً اپنے حلیے میں تبدیلی کر لی۔ اس کے گال پچکے ہوئے تھے۔ اس نے کسی طرح ان کو پھلا لیا۔ لیکن اس کے دشمن نے اس حلیے میں بھی اسے پہچان لیا اور موقع پا کر اسے قتل کر دیا۔ مقتول کے پاس ایک موٹی پنسل نما کوئی چیز تھی۔ وہ قتل کے وقت اس کے ہاتھ میں تھی۔ ہاتھ سے گر کر وہ لڑھک گئی اور اوٹ میں چلی گئی۔ قاتل کو وہ نظر نہ آ سکی اور اس کے پاس اتنا وقت

نہیں تھا کہ تلاش کر سکتا۔ لہٰذا وہ فوراً کمرے سے نکل گیا۔ بعد میں وہ پنسل نما چیز انھیں ملی۔ لیکن ان کی عقل مندی سے وہ قاتل تک پہنچ گئی۔ اور اس طرح یہ راز راز ہی رہ گیا کہ اس میں کیا چیز تھی۔ تفتیش شروع ہونے پر یہ بات سامنے آئی کہ اس نے اور بھی لوگوں کو ہیرے فروخت کیے تھے۔ لیکن وہ سب نقلی تھے۔ گویا اس نے ان لوگوں کو دھوکا دیا تھا۔ ہمیں اس کے قاتل کی تلاش تھی۔ اور ہم یہ بھی جاننا چاہتے تھے کہ قاتل نے اسے آخر کیوں قتل کیا ہے۔ ہم تفتیش کے گھوڑے دوڑاتے رہے۔ بھاگ دوڑ کرتے رہے اور شاید ہم قاتل تک کبھی نہ پہنچ سکتے کہ اس سے ایک غلطی ہو گئی۔"

"غلطی۔ کیا مطلب؟" میزبان نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! سنگین غلطی۔ وہ ہماری طرف سے فکر مند ہو گیا۔ اسے اس وہم نے گھیر لیا کہ ہم ضرور اس کا سراغ لگا لیں گے۔ چناں چہ اس نے ہم سب کو موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کر لیا اور رات کو پندرہ آدمیوں کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ لیکن ہم اس سے بھی تیز نکلے۔ اس کمرے میں ہم تھے ہی نہیں۔ لہٰذا وہ ناکام رہا اور اصل غلطی اس سے یہ ہوئی کہ اس نے فرار کا عجیب راستا اختیار کیا۔ وہ کوٹھی کے دروازوں میں سے کوئی راستا نہیں تھا۔ کوئی نامعلوم راستا تھا۔ ہم سوچ میں پڑ

گئے۔ شک فوراً نواب صاحب پر گیا۔ اپنی کوٹھی کے خفیہ راستوں سے تو وہی واقف ہو سکتے تھے۔ لیکن وہ تو کوٹھی میں ہی موجود تھے۔ غائب نہیں تھے۔ لہٰذا ہم نے ان سے پوچھا کہ انھوں نے کن کاری گروں سے بنوائی تھی۔ انھوں نے ان کا پتا بتایا۔ ہم اس پتے پر پہنچے۔ وہاں ہمیں ایک ادھیڑ عمر آدمی ملے۔ ان سے معلوم ہوا کہ عمارات بنانے کے کاری گر اپنی یہ عمارت بیچ کر کسی دوسرے شہر چلے گئے ہیں۔ ہم مایوس ہو کر لوٹ آئے اور ایک ہوٹل کے کیبن میں بیٹھ کر خیالی گھوڑے دوڑانا شروع کر دیے۔ سوچ سوچ کر ہم ایک ہی نتیجے پر پہنچے۔ اور وہ یہ کہ جن لوگوں نے کوٹھی بنائی تھی۔ دراصل وہی ہم پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اور وہ اپنی اصلی عمارت فروخت کر کے کہیں نہیں جا سکتے۔ کیوں صاف ظاہر ہے۔ وہ خفیہ راستے بنانے کے ماہر ہیں اور اپنی عمارت میں بھی انھوں نے ضرور خفیہ راستے بنائے ہوں گے۔ ایسی عمارت فروخت کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔ ایسی عمارات تو جرائم پیشہ لوگوں کے بہت کام آتی ہیں۔ اور اسی نظریے سے وہ بناتے بھی ہیں۔ لہٰذا ہم نے فوراً یہ نتیجہ نکال لیا کہ مسٹر فاخر۔ آپ نے جھوٹ بولا ہے۔ کاری گر لوگ عمارت بیچ کر کہیں نہیں گئے۔ بلکہ ان کے انچارج تو آپ ہیں اور آپ نے ان کا انتظام کسی اور جگہ

کر رکھا ہے۔ تاکہ آپ یہ کہہ کر بچ جائیں کہ وہ لوگ تو عمارت بیچ کر جا چکے ہیں۔"

"اوہ۔ اوہ۔ آپ کا مطلب ہے۔ اس عمارت کے مالک مسٹر فاخر ہی پرانے مالک بھی ہیں اور انھوں نے ہی اپنے ساتھیوں کے ساتھ آپ لوگوں پر حملہ کیا تھا۔" نواب صاحب نے بوکھلا کر کہا۔

"جی ہاں! اس میں ہمیں ایک فی صد بھی شک نہیں اور ہم یہ بات اس عمارت کی تلاشی لینے کے بعد ثابت کر دیں گے۔ ہم اس سے ہی وہ پنسل نما چیز بھی نکال کر دکھا دیں گے اور خفیہ راستے بھی۔ ابھی تھوڑی دیر بعد ہی یہ خود بخود مجرم ثابت ہو جائیں گے جب ان کے بلا۔"

اُن کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی تھی۔

"ہم۔ میرے وکیل آ گئے۔" اس کے منہ سے نکلا۔ ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہمیں افسوس ہے ـــــ ان کے استقبال کے لیے آپ نہیں۔ ہم میں سے کوئی جائے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جیسے آپ کی مرضی۔ لیکن یہ نہ بھولیں۔ آپ میرے گھر میں موجود ہیں۔"

"نہیں بھولیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔" وہ مسکرائے، پھر انھوں

نے خان رحمان سے کہا:

"خان رحمان۔ کیا تم ان کے وکیلوں کو اندر لے آؤ گے؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔" انھوں نے مسکرا کر کہا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایسے میں فرزانہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا، لیکن پھر رک گئی اور پریشان ہو کر اُٹھ کھڑی ہو گئی، ادھر انسپکٹر جمشید کہہ رہے تھے:

"مسٹر فاخر۔ ایک بات اور عرض کر دوں۔ اختر عباس جس کو قتل کیا گیا اور جو عزیز بھائی بیزار کے روپ میں لوگوں کو نقلی ہیرے فروخت کرتا تھا۔ دراصل گھر سے ناراض ہو کر نکلا ہوا تھا۔ اور ان حالات میں وہ آپ کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ آپ ان دنوں پولیس کے مسلسل تعاقب سے بہت پریشان تھے اور یہ سوچ رہے تھے۔ کسی طرح ہمیشہ کے لیے پولیس سے پیچھا چھڑا لیں۔ اس وقت اختر عباس آپ کے ہاتھ لگ گیا۔ اور آپ کے شیطانی ذہن نے ایک منصوبہ سوچ ڈالا۔ آپ نے اس کے چہرے پر عزیز بھائی بیزار کا میک اپ کر دیا۔ اسے ٹریننگ دی۔ اور پھر وہ آپ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کو اپنا نام عزیز بھائی بیزار بتانے لگا اور نقلی ہیرے فروخت کرنے لگا۔ آپ کا پروگرام دراصل یہ تھا کہ آپ اسے کسی موقعے پر قتل کر دیں گے۔ اور یہ بات مشہور ہو جائے گی کہ عزیز بھائی بیزار

کسی نامعلوم دشمن کے ہاتھوں مارا گیا۔ ساتھ میں یہ بات بھی پولیس کے سامنے آجائے گی۔ کہ وہ نقلی ہیرے فروخت کرتا تھا، شاید اسی بنا پر اسے کسی نے قتل کر دیا۔"

عین اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔ انھوں نے نظریں اُٹھائیں تو خان رحمان ہاتھ سر سے بلند کیے اندر داخل ہوتے نظر آئے:

"ہائیں انکل! یہ آپ کے ہاتھوں کو کیا ہوا؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"یار پتا نہیں کیا بات ہے۔ اُوپر اُٹھ گئے ہیں۔" خان رحمان بے چارگی کے عالم میں بولے۔

"تم سب بھی ہاتھ اُوپر اُٹھا دو۔" باہر سے گرج دار آواز سنائی دی۔

"میرے وکیل۔ زندہ باد۔" فاخر چلایا۔

"ہائیں۔ تم لوگوں نے ہاتھ اُوپر نہیں کیے۔ تو کیا باس نے اجازت ہے۔ بھون ڈالیں انھیں۔"

"رائفلیں بے آواز ہیں نا؟" اس نے کہا۔

"بالکل!" اس نے فوراً کہا۔

"ٹھیک ہے۔ بھون ڈالو۔"

"ایک منٹ۔ میری کہانی تو مکمل سن لیں۔" انسپکٹر جمشید نے

بے تابانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔

"خیر۔ سن لو بھئی۔ یہ بھی کیا یاد کریں گے۔"

"منصوبہ آپ کے ذہن میں یہ آیا تھا کہ اس طرح اختر عباس مر جائے گا۔ لیکن وہ عزیز بھائی بیزار کے نام سے مرے گا۔ یہ بات اخبارات خوب اچھالیں گے۔ اس کی چال بازیاں بھی سامنے لائیں گے اور اس طرح ملکی اور غیر ملکی پولیس کو اس بات پر یقین آجائے گا کہ عزیز بھائی مارا جا چکا ہے۔ لہٰذا پولیس خود بخود تعاقب اور سراغ لگانے کی کوشش سے رک جائے گی اور آپ سکون سے اپنا وقت گزار سکیں گے۔ منصوبہ دراصل یہ تھا۔ لیکن خرابی اس منصوبے میں اس وقت ہوئی جب میں نے اختر عباس کو دیکھ کر فوراً کہہ دیا کہ یہ عزیز بھائی نہیں ہے اور پھر میک اپ اتار کر اپنی اس بات کو ثابت کر دیا۔ اس طرح اس کا منصوبہ تو ہو گیا فیل۔ اب اسے فکر یہ تھی کہ کہیں ہم بطور قاتل اسے گرفتار نہ کر لیں؛ چناں چہ اس نے ہمیں بھی ختم کرنے کا پروگرام بنایا اور یہی اس سے چوک ہو گئی۔ ورنہ قاتل یا اصلی عزیز بھائی تک پہنچنا آسان کام نہیں تھا۔ یہ بات بھی بتا دوں کہ اصل میں مسٹر فاخر انجینئر ہیں۔ اور اس قسم کی چند عمارات انھوں نے اپنے برے وقتوں کے لیے بنا ڈالی ہیں۔ اگرچہ دوسروں کے لیے بنائی ہیں۔ لیکن ان کو اپنے مطلب کا بھی بنا رکھا

ہے۔ نواب صاحب کی کوٹھی بھی ان میں سے ایک ہے۔ اس قسم کی اور بھی عمارات ہوں گی۔"

"اور۔ اور وہ پنسل نما چیز؟"

"اس میں دراصل ہیرے تھے۔"

"اگر اس میں ہیرے تھے۔ یعنی نقلی ہیرے۔ تب تو قاتل کو وہ پنسل چرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ بات تو اس کے منصوبے کا حصہ تھی کہ عزیز بھائی نقلی ہیرے فروخت کرنے والا ثابت ہو جائے۔" محمود نے اعتراض کیا۔

"ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن شاید ان حضرت نے اس مرتبہ اختر عباس کو غلطی سے اصلی ہیرے دے دیے تھے۔ اور اس غلطی کا علم اس کو بعد میں ہوا؛ چناں چہ اس نے یہی فیصلہ کیا کہ ہیرے اڑا لیے جائیں۔ لیکن قتل کے وقت پنسل نما۔ ڈبیا اسے نظر نہیں آئی۔ خیر بعد میں اسے موقع مل گیا۔ وہ ہم اس گھر سے برآمد کر لیں گے۔ فکر نہ کرو۔ اب رہ گئے۔ وکیل صاحبان۔ ان سے بھی بات کر لیتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم لوگ اپنا کام شروع کر دو۔"

"کیسے کر دیں۔ مشکل ہے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب؟" باس نے چونک کر کہا۔

"مطلب یہ کہ ہم نے بھی پورا پورا انتظام کر رکھا ہے۔ یہ کوٹھی اس وقت اَن گنت سادہ لباس والوں کے قبضے میں ہے۔"

"نن۔ نہیں۔"

"کیوں نہیں جناب۔ اگر آپ اپنے وکیلوں کو بلا سکتے ہیں تو کیا ہم نہیں بلا سکتے ہیں۔ اپنے کسی ساتھی سے کہیں۔ کسی کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھ لیں۔"

"دیکھو۔ باہر۔"

"او کے باس۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ فوراً اس کی واپسی ہوئی:

"یہ ٹھیک کہتے ہیں باس۔ باہر پولیس نے گھیرا ڈال رکھا ہے۔"

"تب ہم اپنے خفیہ راستے سے نکلیں گے۔"

"بہت مشکل ہے باس۔ حرکت کی تو گولی کمر کے پار ہو گی۔ ہاتھ اوپر اٹھا دو اور اپنے ساتھیوں سے کہو۔ رائفلیں گرا دیں۔"

فرزانہ کی غراتی ہوئی آواز ان کے کانوں میں گونج اٹھی۔ وہ نہ جانے کب باس کے پیچھے جا کھڑی ہوئی تھی۔ اور اب پوری طرح اس کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔

"وہ مارا۔" محمود اور فاروق ایک ساتھ چلائے۔

باس کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے مردہ آواز میں کہا:

"گگ۔ گرا دو۔"

رائفلیں گرنے کی آواز گونج اٹھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ وہاں سے باہر نکل رہے تھے۔

"آخری لمحات میں ذرا سا کام دکھا کر یہ محترمہ بلا وجہ ہی سہرے کی حق دار بن گئی ہیں۔ دھت تیرے کی۔" فاروق نے تلملاتے ہوئے انداز میں کہا، محمود نے اس کی طرف تیز نظروں سے دیکھا:

"اور یہ دھت تیرے کی کیوں لگایا جملے کے آخر میں؟"

"اس لیے کہ اس وقت کم از کم تم فرزانہ کا ساتھ نہیں دو گے۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

ان کے چہروں پر مسکراہٹ کی روشنی بکھر گئی۔

Ishtiyaq Ahmed

آخری جھٹکا

کا انعامی سوال

ص: انسپکٹر جمشید اس سے آگے کیا کہنا چاہتے تھے۔ ابھی تھوڑی دیر بعد ہی یہ خود بخود مجرم ثابت ہو جائیں گے۔ جب ان کے بُلا.....

★

- ۲۵۰ روپے کا نقد انعام ۵۰ روپے فی کس ۵ قارئین کو، موصول ہونے والے سب سے پہلے پانچ درست جوابات پر دیا جائے گا۔
- ہر سوال کا جواب بالکل الگ کاغذ پر لکھیں۔
- ہر کاغذ پر اپنا نام اور پتا ضرور لکھیں۔
- جواب کاپی سائز کاغذ پر لکھیں۔
- تمام جوابات ایک ہی لفافے میں ارسال کیے جا سکتے ہیں۔
- خطوط اس پتے پر ارسال کریں:

اشتیاق احمد

وی ۸/۶ سٹیلائٹ ٹاؤن ○ جھنگ ○ پوسٹ کوڈ ۲۵۲۰۶

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز نمبر ۱۸۶

مٹشیا کی واپسی

مصنف: اشتیاق احمد

- مٹشیا کی آمد آپ پڑھ چکے.... پڑھ کر مجھ پر لال پیلے بھی ہو چکے۔
- لیجیے! غصہ تھوک دیجیے اور واپسی پڑھ لیجیے۔
- آپ کے محبوب کرداروں نے مٹشیا سے مقابلہ کس طرح کیا۔
- کس کس طرح شکست کھائی۔
- ان کی نرالی ترکیب پر آپ مسکرائیں گے بھی... اور جھنجھلائیں گے بھی۔
- اور آخر میں مجرم کے سامنے آنے پر دھک سے ضرور رہ جائیے گا... یہ میری درخواست سمجھ لیں۔
- آپ نے ایسے ناول اپنی زندگی میں بہت کم پڑھے ہوں گے

قیمت: ۷/۵۰

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز نمبر ۱۸۷

ہزار سال کا شہر

مصنف: اشتیاق احمد

- حیرت انگیز ناولوں میں ایک اور ناول کا اضافہ
- ہر قدم پر حیرت، سسپنس اور خوف میں بھی اضافہ
- آپ کے دلوں کی تیز دھڑکنوں میں بھی اور اضافہ
- واقعات کی تیزی میں بھی ہر لمحے اضافہ
- آخر میں آپ کہہ سکیں گے... کیا ایسا ممکن ہے
- میرا جواب یہی ہے کہ دنیا میں کیا ممکن نہیں
- حیرتوں کے سمندر میں ڈوبنے کے لیے تیار ہو جائیے

قیمت: ۷/۵۰

آیندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز نمبر ۷۳

روحوں کا کمرہ

مصنف: اشتیاق احمد

- سڑک کے بیچوں بیچ کوئی چیز پڑی تھی۔
- اس چیز نے انہیں ایک چکر میں ڈال دیا۔
- انسپکٹر کامران مرزا بھی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئے۔
- ایک زخمی... جس نے ان کے گھر کے دروازے پر دستک دی۔
- آفتاب اور آصف کی ایک عجیب آدمی سے ملاقات... جو.....
- ان کی گفتگو سن کر آپ بار بار مسکرائیں گے۔
- اس ناول میں آپ کو روحوں کا کمرہ تلاش کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔
- لیکن آپ اس دعوت میں بری طرح ناکام ہو جائیں گے۔

قیمت: ۷/۵۰

خونی خزانہ

کا انعام

سوال یہ تھا: اس ناول کے اصلی مجرم کا نام لکھیے؟

جواب: منصور خان

انعام پانے والے دس نام درج ذیل ہیں۔ پہلے دو انعامات ۵۰۰ روپے نقد بقیہ آٹھ کو ۵، ۵ کتابوں کے انعامی پیکٹ روانہ کیے جا رہے ہیں:

۱. محمد شاہد، مکان نمبر ۱۹۱ بی ایکس، نیو صادق کالونی، احمد پور روڈ، بہاولپور
۲. محمد یوسف، ورکشاپ ملک نعیم، گلی صادق چیئرمین، اسلام آباد کالونی، پکی ٹھٹھی، لاہور
۳. محمد عارف جواد، الحمرا ہوٹل، سرکلر روڈ، بیرون فرید گیٹ، بہاول پور
۴. عامر حمید مغل، مکان اے/۲۹۸ بی بی گلی نمبر ۱۲، کرشن پورہ، باغ سرداراں، راولپنڈی
۵. طاہر شفیق، مکان نمبر ۱۲۸۰ پی، نیو سیٹھی منزل، گلی نمبر ۱، محلہ فتح آباد، فیصل آباد
۶. مبشر علی زیدی، آر۔ ۶۰۰، بلاک ۲۰، انچولی سوسائٹی، فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸
۷. ذوالفقار علی خان معرفت حمید خان انٹرپرائزز، ۱۵۔ لوئر مال، لاہور
۸. ابراہیم دانیال، سہیل ہاؤس، شمسی مارکیٹ، نیا بازار، قصور
۹. محمد الطاف، ۳۲۵/۳ فیڈرل بی ایریا، کریم آباد، کراچی ۳۸
۱۰. طاہرہ مابین، مولوی محمد عثمان روڈ، کراچی ۵۳

خوشی کی خبر

ادارہ اشتیاق پبلی کیشنز کے دفتر واقع ساندہ کلاں لاہور میں فون لگ گیا ہے۔ فون نمبر ۳۲۱۵۳۷ ہے۔ قارئین کرام، ایجنسی ہولڈرز، بک سٹال مالکان اور لائبریری مالکان کی سہولت کے لیے اطلاعاً عرض ہے۔

★

اشتیاق پبلی کیشنز

۹/۱۲ نصیر آباد۔ ساندہ کلاں۔ لاہور

فون نمبر: ۳۲۱۵۳۷